ماہنامہ

مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

ایک بنیادی حقیقت جو رسول کریمؐ کے

کسی نام لیوا مسلمان کی نگاہوں سے اوجھل

نہیں ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ آں حضورؐ

دنیا میں محض زبانی خراج عقیدت وصول

کرنے کیلئے تشریف فرما نہیں ہوئے تھے

بلکہ آپ کی بعثت کا اصل مقصد یہ تھا

کہ آپؐ کی بارگاہ میں خراج اطاعت پیش

کیا جائے۔

(مودودیؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ **حیات نو** مجلہ بلریاگنج

جلد ۱۰ — صفر المظفر ۱۴۱۵ھ / جولائی ۱۹۹۴ء — شمارہ ۷

بدل اشتراک		مدیر مسئول
سالانہ زر تعاون	۵۰/ روپئے	نور محمد فلاحی
طلبہ کیلئے	۴۰/ ″	مدیر
خصوصی زر تعاون	۱۰۰/ ″	محمد اسمٰعیل فلاحی
اعزازی ″	۱۰۰۰/ ″	معاون مدیر
قیمت فی شمارہ	۵/ ″	عبدالبر اثری فلاحی
غیر ممالک سے زرتعاون	۲۵/ امریکی ڈالر	

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

:- ترسیل زر کا پتہ :-
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
فون نمبر ۱۱ (۲۷۹۱۲)
نشاط پریس ٹانڈہ — کتابت: محمد اشفاق عالم فلاحی

رپورٹ مجلس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم

مجلس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم کا اجلاس حسب اعلان ۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء صدر انجمن کی صدارت میں شروع ہوا۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ فارغین جامعہ کی کاوشیں محمد اسمٰعیل فلاحی اور عبدالبر اثری فلاحی یکجا کریں گے۔ دس طلبہ کو اس سال تعلیمی وظائف دیئے جائیں گے۔ نیعلی کو اجر کی تعمیر کا مسئلہ از سر نو مجلس انتظامیہ جامعۃ الفلاح کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ انجمن ہاؤس کی تعمیر کیلئے زمین الاٹ کرنے کے سلسلہ میں مجلس انتظامیہ سے دوبارہ درخواست کی جائیگی۔ جیپ کے قرض کی واپسی کے سلسلہ میں جن حضرات نے وعدہ کیا تھا انہیں یاددہانی کرائی جائے گی۔ اس کام کیلئے دہلی میں عبدالباری فلاحی صاحب اور علی گڑھ میں منور حسین فلاحی صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ رقم جلد از جلد وصول کر کے بھیج دیں۔ حیات نو کی طباعت اب آفسیٹ پر ہوگی۔ دستور انجمن میں ترمیم کے بارے میں نسیم غازی صاحب کے عہد صدارت میں بنی کمیٹی کی مجوزہ ترمیمات تمام ممبران انجمن کے پاس بھیج کر ایک ماہ تک انتظار کیا جائیگا اور جو رائیں آئیں گی انہیں اگلی مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کیا جائیگا۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ سابقہ اجلاس کے مقالات کی کتابت مکمل ہو چکی ہے۔ تصحیح کا کام جاری ہے۔ نومبر ۱۹۹۴ء تک طباعت مکمل ہو جائے گی۔

سکریٹری انجمن کی پیش کردہ رپورٹ کی تلخیص درج ذیل ہے۔ سکریٹری انجمن کی طرف سے فلاحی برادران سے ربط کے لئے ۴۸۹ خطوط بھیجے گئے اور ان کے نام ۱۲۱ خطوط آئے۔ انجمن کے کاموں کو منضبط کرنے اور جملہ ریکارڈس کیلئے مختلف رجسٹر اور فائلیں تیار کی گئیں۔ انجمن نے ۹۳-۹۲ء کے سیشن میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات دیئے گئے۔ اسی طرح وہ انعامات بھی تقسیم کر دیئے گئے جو گذشتہ سالوں سے تقسیم نہیں ہوئے تھے۔ نیز جمعیۃ الطلبہ کی حوصلہ افزائی کیلئے تین ہزار روپے کی مدد کی گئی۔ مستحق طلبہ و طالبات کا مالی تعاون کیا گیا۔ مختلف مقامات پر انجمن کی یونٹ قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ [illegible] اور چونکہ ان میں جلد ہی قیام متوقع ہے۔ [illegible] طلبہ کو تقریباً تین ہزار روپئے دیئے گئے۔ انجمن آفس میں ٹیلیفون لگوایا گیا۔ جامعہ کے کاموں میں سہولت کیلئے ایک نئی جیپ خریدی گئی جس کیلئے قرض بھی لینا پڑا ہے۔ ایک وفد بمبئی بھی گیا تھا۔ سیشن ۹۳-۱۹۹۲ اور ۹۴-۱۹۹۳ کے فضیلت کے [illegible] طلبہ کو الوداعی پارٹی دی گئی۔ انجمن کے تعارف کیلئے زبان اردو اور عربی فولڈر میں چھپوائے گئے۔

نقوش حیات نو

		صفحہ
اداریہ		
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳
بحث و نظر		
اصلاح معاشرہ کیوں اور کیسے؟	مولانا محمد رابع ندوی	۹
علی گڑھ تحریک اور دیوبند تحریک	ارشد تولابی	۱۰
سیر و سوانح		
عثمان بن سعید ورش مصریؒ	محمد الیاس اعظمی	۱۷
خاتون جنتؓ کے رہنما نقوش	راحت الفاطمہ مرغوبی	۲۴
لکھ رہا ہوں جنوں...		
بڑھ کر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی جون	ابو اللسان لغوی	۳۰
تعارف و تبصرہ		
قرآن کی دعوت فکر	عبد البر اثری فلاحی	۳۶
جامعہ کے لیل و نہار		۳۸
امتحانات، دفتر انجمن میں ٹیلیفون	محمد اسماعیل فلاحی	۳۸
اساتذہ کی جدائی، ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب کی آمد		۳۹-۴۰
مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی کا خطبہ		۴۳

اداریہ — محمد اسمٰعیل فلاحی

کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

ربیع الاول کا چاند طلوع ہونے والا ہے۔ یہ وہ ماہ محترم ہے جس میں ایک طویل طوفانی، بلاخیز، مہیب اور ڈراؤنی رات کی صبح ہوئی، انسانیت کا آفتاب جہاں تاب چمکا اور اس طرح چمکا کہ فکر و نظر کا ہر زاویہ روشن ہوا۔ لوگ بندوں کی بندگی اور ادیان و مذاہب کے ظلم و جور سے نکل کر اللہ کی بندگی اور اسلام کے عدل و قسط کی شاہراہ مستقیم پر آگئے۔ یہ صبح کسی خاص زمانے، کسی ایک قوم، کسی ایک جغرافیائی علاقہ اور کسی ایک زبان بولنے والے کی صبح نہ تھی۔ پوری انسانیت اور تمام کائنات کی صبح تھی، اس لئے کہ اس صبح میں آنے والا رحمۃ للعالمین، سارے انسانوں کیلئے رحمت تھا۔ یہ وہ تھا جس کی تمنا ابراہیمؑ نے کی اور جس کی بشارت عیسیٰؑ نے دی تھی، جس کی سیرت ہر سیرت سے بڑھ کر صحیح، جس کی زندگی ہر پہلو سے بالکل واضح کھلی کتاب، جس سے زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں، جو ہر پہلو سے کامل، جس کا ہر گوشہ بدر منیر اور نیر تاباں، جس میں بلا کی جاذبیت اور کشش، اپنے جس پر فدا اور غیروں کو بھی جس سے مجال انکار نہیں، اس پوری انسانی تاریخ میں جس کا کوئی بدل نہیں۔ دوسروں کا تو حال یہ ہے کہ اگر کسی کا ایک پہلو روشن ہے تو دوسرا اتنا ہی تاریک، اگر کسی ایک گوشہ سے خوشبو اٹھ رہی ہے تو دوسرے سے سڑاند اور تعفن لیکن یہاں یہ حال کہ ہر ہر پہلو روشن اور عطر بیز۔

اس مہینہ میں مسلمانان عالم کا، شرق تا غرب اور شمال تا جنوب۔ خوشیاں منانا فطری اور اللہ تعالیٰ و رسولؐ سے محبت کا مظہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو مسلمانوں کے تمام علاقے بقعہ نور بن جاتے ہیں، شہروں کو سجایا جاتا اور سیرت پاک کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ خوب خوب اہتمام ہوتا اور لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں۔

لیکن ہائے افسوس! کہ جس کی آمد پر ہم خوشیاں مناتے ہیں، وہ کیوں آیا تھا، یہ ہم بھول جاتے ہیں، وہ دین جس کی اس نے تکمیل کی، وہ شریعت جو لیکر وہ آیا، وہ کتاب جو اس پر نازل ہوئی اور وہ حدیث و سنت جو اس کتاب کی شرح اور ترجمان ہے، ہمیں کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ ایک طرف ان سب پر ایمان کا دعوٰی، دوسری جانب زبانِ حال سے اس بات کا اظہار کہ اب یہ چیزیں قابلِ عمل نہیں، از کار رفتہ ہیں، آج کے انسان کا ساتھ نہیں دے سکتیں اور آج کے مسائل حل نہیں کر سکتیں، یہ ہے ہماری محبت کا انداز!! آخر یہ کیسی محبت ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت خود ہمارے گھروں میں پامال ہوں، ہم خود انہیں زبان سے تو نہیں لیکن عمل سے ٹھکرائیں، زمانہ کی ریت کو دیکھیں، خاندانی رسوم و رواج کی پیروی کریں اور خواہشات کے پیچھے چلیں۔ ایک طرف اللہ تعالٰی اور رسولؐ کی سنت آواز دے رہی ہو اور ہم دوسری جانب دوڑ جائیں۔ ذرا بھی احساس نہ ہو کہ خدا کا دین مغلوب و محکوم ہے، حد یہ ہے کہ خود ہمارے گھروں میں بھی اسے عزت و مقام حاصل نہیں اور وہ پاؤں تلے روندا جا رہا ہے اور ہم گھروں کو چراغاں کر کے، جلوس نکال کر اور نعرے لگا کر سمجھتے ہیں کہ محبت کا حق ادا ہو گیا۔ وہ امت جس کی ایک بڑی تعداد قوت خرید سے محروم، نانِ شبینہ کی محتاج، جس کے بچے غربت کی وجہ سے تعلیم سے عاری، جس کے یتیم بھوکے، جس کی بیوائیں بے سہارا، جس کی کنواریاں زندگی بھر کنواری، جس کے بیمار علاج سے محروم اور جس کے پاس سر چھپانے کیلئے زمین کی صرف ننگی پیٹھ اور کھلا آسمان۔ اس امت کیلئے یہ کب زیبا ہے کہ وہ لاکھوں روپیہ یوں اڑائے اور اپنی دولت یوں برباد کرے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف ۳۱)	اے بنی آدم ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنے لباس پہنو، کھاؤ پیو، اسراف نہ کرو۔ خدا اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ	قرابت دار، مسکین اور ابن سبیل کو اس کا حق دو اور بے محل خرچ نہ کرو، بے محل خرچ کرنے

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل ۲۷)	والے شیطان کے بھائی ہیں

محبت کا حق تو یہ ہے کہ انسان جس سے محبت کرے اس کے رنگ میں رنگ جائے۔ اس کی ایک ایک ادا کو اپنائے، اس کی ایک ایک حرکت پر جان دے، وہ اس کے لئے بے چین رہے اور اس کے لئے تڑپے۔ اس کی پسند اس کی پسند اور اسکی خواہش اس کی خواہش بن جائے۔ آئیے طے کریں اس دفعہ جبکہ ہم میلاد النبیؐ کی خوشیاں منائیں گے ہمارا یہ عزم ہو گا کہ جہاں اپنے آقا و مولٰیؐ پر خوب درود و سلام کے نذرانے پیش کریں گے وہیں آپ کی ایک ایک سنت کو دانتوں سے پکڑیں گے۔ آپؐ کی لائی ہوئی کتاب کو زندگی سمجھیں گے، عمل کریں گے اور اسے عام کرنے کی کوشش کریں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک اس دین کی مغلوبیت ختم نہ ہو جائے۔ آپؐ سے محبت و عقیدت اور ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ کے رسولؐ کا جہاں یہ ارشاد گرامی ہے کہ

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ (متفق علیہ)	تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک میں اسکے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھکر محبوب نہ ہو جاؤں۔

وہیں آپؐ نے اس محبت کو ناپنے کا پیمانہ اور تھرما میٹر بھی دے دیا ہے کہ

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (شرح السنۃ) (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)	تم میں کا کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اسکی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لیکر آیا ہوں۔

اور یہ کہ

کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابٰی، قیل و من یابٰی۔ قال من اطاعنی دخل الجنۃ و من عصانی فقد ابٰی۔ (بخاری)	میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول انکار کرنیوالے سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

اصلاح معاشرہ کیوں اور کیسے؟

محمد رابع ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل کرنا اور اپنے باہمی معاملات کو شریعت اسلامی کے احکام کے مطابق انجام دینا کتنا ضروری ہے، اس کو قرآن کریم اور حدیث شریف کی تعلیمات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، مسلمانوں کی شریعت ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی کرتی ہے، ان کی زندگی کی مشکلات کا حل بتاتی ہے۔ ان ضرورتوں کا حل بتانے والی شریعت سے روگردانی کرنا نہ صرف یہ کہ بڑی محرومی کی بلکہ خدا کو سخت ناراض کرنے والی بات ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اپنے پروردگار کی مدد ورحمت سے محرومی ملتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت پکڑ ہونے کا اندیشہ ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا ہے کہ اسکو اپنی طرف سے عطا کردہ دین وشریعت کی خلاف ورزی بالکل قبول نہیں، فرمایا:

"ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين"
(آل عمران - ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا

افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے خدا سے اچھا

مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے ۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء کو ندوۃ العلماء میں منعقد "اصلاح معاشرہ کانفرنس" کے حوالے سے ایک تعارفی مضمون۔

(المائدہ: ۵۰) حکم کس کا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ دین اور شریعت اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو عطا کیا، اور اپنے اس آخری نبی ﷺ کے احکامات اور فیصلوں کو ماننا ضروری قرار دیا اور یہ فرمایا کہ اس کے مانے بغیر کوئی مسلمان مسلمان نہیں رہتا، فرمایا:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما
(نساء - ۶۵)

تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسکو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

لیکن سخت افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں میں اپنی شریعت کے مطابق زندگی گذارنے سے بڑی بے توجہی پیدا ہوگئی ہے، اس کے احکامات کی تعمیل کے بجائے دوسروں کے رسوم ورواج پر عمل کیا جانے لگا ہے، جو کہ ایک طرف خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی اور ان کی ناراضگی کا باعث ہے، دوسری طرف مسلمانوں کا بحیثیت مسلمان ثابت ہونا مشکل ہوگیا ہے، وہ اپنے دین فطرت اسلام کے طور وطریق کے اختیار کرنے کے بجائے جاہلانہ ومسرفانہ اور بیجا طور وطریق کو اختیار کرنے والے اور غیروں کی رسموں کو اپنا وطیرہ بنانے والے بنتے جارہے ہیں ایسی صورت حال کچھ تو غفلت اور نفس پرستی کے سبب ہوئی ہے اور کچھ اپنی شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر ہوئی ہے۔ غفلت اور نفس پرستی کو دور کرنے کیلئے وعظ ونصیحت کی ضرورت ہے اور ناواقفیت کا علاج انکو شریعت کے ضروری احکام سے واقفیت کرانے سے کیا جاسکتا ہے۔

اسی لئے اس ملک میں جہاں کا دستور سیکولرزم پر مبنی ہے اور مسلمان اقلیت میں بھی ہیں، حکومت سے توقع نہیں کی جاسکتی، اس کو ملت اسلامی کے فرزند ہی انجام دے سکتے ہیں، کیوں کہ اپنی ملت کو استوار اور محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود انہی کی ہے۔ شریعت اسلامی کے سلسلہ کے معاملات کا جو تعلق ہے اس کے لئے الحمد للہ

حکومت کے سامنے مدافعت کرنے اور غلط فہمیاں دور کرنے کی جدوجہد مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داروں نے انجام دی ہے اور شریعت اسلامی کو نقصان پہونچانے والے بعض ضابطوں کو بدلوایا اور اس دائرے میں جب کوئی پیچیدگی ہوتی ہے۔ بورڈ اس کی فکر کرتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اسی طرح اس محاذ پر الحمد للہ ضرورت کے مطابق کام انجام پا رہا ہے۔

دوسرا محاذ خود مسلمانوں کو شریعت اسلامی پر عمل کرنے کے دائرے میں لانے کا ہے جو سب سے وسیع اور اہم ہے۔ اس کے لئے بورڈ نے دیگر ملی اداروں کی مدد سے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے کام شروع کیا ہے، یہ کام زیادہ وسیع اور انتھک محنت کا کام ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے لئے جگہ جگہ اجتماعات کئے جائیں، عامۃ المسلمین کو شریعت اسلامی کے احکام کی خلاف ورزی سے روکا جائے، ان کے معاملات میں غیر اسلامی رسمیں اور طریقے داخل ہو گئے ہیں، جن سے پروردگار کی مرضی اور اس کے آخری نبیؐ کی تعلیمات کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ اس سے باز رہنے کی تلقین کی جائے تاکہ دنیا و آخرت دونوں میں جو نقصان و تباہی کا خطرہ ہے وہ دور ہو۔

نکاح و شادی میں غیر ضروری نمائش و آرائش، مسرفانہ اخراجات اور جاہلانہ رسمیں وہ غیر عاقلانہ طریقے ہیں، جن سے ایک طرف تو خدا اور رسول کو ناراض کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف وہ قیمتی سرمایہ جو خود زوجین کے مستقبل کی تعمیر اور ملت کے ضروری کاموں میں لگایا جا سکتا ہے، ضائع ہوتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس کا صرف کرنا لڑکی لڑکے کے والدین کے لئے سخت بار کا باعث بھی بنتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے لوگوں کو سمجھایا جائے کہ وہ محض وقتی لطف اور نام و نمود کے لئے اس طریقے سے اپنے اقتصادی مستقبل کو بھی نقصان پہونچاتے ہیں اور ملت کے ضروری تقاضوں کو پورا کرنے میں جو حصہ لیا جا سکتا ہے اس سے بھی قاصر رہتے ہیں پھر اپنے پروردگار اور اس کے آخری نبیؐ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے ان کو ناراض کرتے ہیں، یہ ناراضی ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

نکاح و شادی کے معاملات میں شریعت اسلامی کے طے کردہ مفید اور معتدل طریقہ کی پابندی نہ کرکے زوجین کے مابین تعلقات بعض وقت سخت کشیدہ ہو جاتے ہیں کہ تلخی اور بعض ظالمانہ طریقہ سے علاحدگی "طلاق" جان کی ہلاکت تک نوبت پہونچتی ہے۔ صحیح ہے کہ زوجین کے درمیان بعض وقت صحیح طریقہ کار اختیار کرنے کے باوجود علاحدگی کی ضرورت پیش آجاتی ہے اس کے لئے شریعت نے طلاق کا ذریعہ مہیا کیا ہے لیکن اس کا مناسب طریقہ بتایا ہے، وہ یہ کہ پہلے اہل تعلق کی طرف سے میل و ملاپ کرانے کی کوشش کی جائے اور کام نہ ہونے سے ایک ایک کرکے تین مہینے میں طلاق دی جائے بعض فقہی مسلکوں میں انتہائی ضرورت پر ایک مرتبہ میں طلاق دیکر علاحدگی کی جا سکتی ہے اگرچہ اس کو مستحسن قرار نہیں دیا گیا ہے۔ مکمل علیحدگی طے کر لینے پر "تسریح باحسان" خوبی و ہمدردی کے طریقہ سے رخصت کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور ولداری کی شکل بتائی گئی ہے۔ بہت سے مسلمان ہدایات کو نظر انداز کرکے خراب صورت حال پیدا کر دیتے ہیں اسی طرح تقسیم میراث کا معاملہ ہے، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا مسئلہ ہے اور دیگر عائلی معاملات ہیں پھر ایک اہم بات شراب اور جوے کی بد عادتیں ہیں، پھر شراب اور جوے کو شریعت نے حرام اور سخت قابل مذمت فعل بتایا ہے اس سے مال و متاع کی بربادی اور عائلی زندگی کی تباہی ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی سخت ناراضگی کا باعث بنتا ہے جوے کی ایک عام رائج شکل موجودہ زمانہ میں لاٹری ہے جس سے فائدہ اٹھانے سے ایک بہت کم امکان کی بنا پر بہت سے مسلمان اپنی آمدنی کا بڑا حصہ اس کی نذر کر دیتے ہیں اور وہ خود اور ان کے بیوی بچے ضروریات زندگی کو بھی پورا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اس طرح کی غلط کاریاں مسلمان ملت کی زندگی کو گھن کی طرح لگتی جا رہی ہیں اور زندگیاں تباہ کر رہی ہیں، ہمارے داعی حضرات اور جن کو خدا نے زبان یا قلم کی موثر صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ آگے آئیں اور مختلف طریقوں سے ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

ارشد ترابی (علیگ)
دہلی۔

علی گڑھ تحریک اور دیوبند تحریک

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ملک میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ اور اس کے جو اثرات ہندوستان پر پڑے اس کے نتیجے میں ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان دو مکتب فکر وجود میں آئے ان میں سے ایک تو علیگڑھ کی تحریک تھی اور دوسری دیوبند کی تحریک۔ علی گڑھ تحریک کی قیادت سرسید اور انکے نامور رفقاء کر رہے تھے۔ جس میں مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک جیسے حضرات تھے۔ اس کے برعکس دیوبند تحریک کی باگ ڈور اس وقت کے چوٹی کے علماء کے ہاتھوں میں تھی۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمودؒ، حاجی امداد اللہ صاحب مکیؒ اور مولانا محمد یعقوبؒ جیسے حضرات سرفہرست تھے۔ ان دونوں تحریکوں کا ایک مختصر تعارف اور جائزہ یہاں پر دیا جا رہا ہے۔

علی گڑھ تحریک

علیگڑھ تحریک جو ایک تعلیمی تحریک بھی ہے اس کے بانی سرسید احمد خاں ہیں۔ سرسید کا خاندان دہلی کا ایک معزز خاندان تھا دہلی میں ہی سرسید ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اس کے بعد مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کی۔ منطق، عربی، فارسی، ریاضی اور دوسرے علوم حاصل کیے۔ ریاضی سرسید نے علیگڑھ کے مشہور و معروف عالم دین مولانا لطف اللہ سے حاصل کی تھی سرسید کا خاندان "ہرات" سے آکر ہندوستان میں آباد ہوا تھا۔ سرسید کا خاندان عہد مغلیہ سے ہی دربار سے وابستہ اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھا

سرسید نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کرلی اور صدرامین جج اور صدر الصدور کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ سرسید شاہ ولی اللہؒ کے گھرانے سے خاص طور پر معتقد تھے۔ اور سنت رسول اور شریعت کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں سرسید احمد خاں مراد آباد میں صدرامین کے عہدے پر فائز تھے۔ انگریزوں کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے پورے ملک میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی مسلمانوں نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ کی۔ اس زمانے میں بہت سے انگریز مارے بھی گئے۔ مراد آباد میں سرسید نے بہت سے انگریزوں کو پناہ دی اور انکی جان بچائی۔ اس جنگ آزادی میں مسلمانوں کو ناکامی ہوئی۔ جس کے بعد ۱۸۵۸ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے تحت ہندوستانی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی سے برطانوی شہنشاہ کی طرف منتقل ہوگئی اور اس طرح ہندوستان پر باقاعدہ رسمی طور سے برطانیہ کا راج قائم ہوگیا جس کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف بالخصوص مقدمات چلائے گئے اور ان کو باغی قرار دے دیا گیا۔ مغل حکمراں بہادر شاہ ظفر کو ملک بدر کرکے رنگون میں قید کردیا گیا۔ اس وقت پورے ملک میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ انگریزوں کا عتاب مسلمانوں پر بجلی گرا رہا تھا۔ سرسید احمد۔ نے ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جس سے وہ بذات خود بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس دور میں سرسید نے ایک کتاب "اسباب بغاوت" لکھی اور اس بات کی کوشش کی کہ غدر کے بعد جو الزامات ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستانیوں پر لگائے جا رہے ہیں، صحیح نہیں ہیں۔ بلکہ انگریزوں کی بعض کمزوریاں بھی اس کا سبب بن گئیں ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی حکومت نے اس میں سدھار لانے کی کوشش کی اور کسی حد تک انگریزوں کی غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ ملک کی صورت حال اور مسلمانوں کی ابتری دیکھ کر سرسید احمد خاں نے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے کچھ کرنے کا پروگرام بنایا۔

ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے دشمن تھے اس لئے کہ انگریزوں نے ان

کی املاک و حکومت کو تباہ و برباد کیا تھا اور پورے ملک پر قبضہ کر لیا تھا چنانچہ کشمکش فطری بات تھی۔ انگریزوں نے ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو دبانے اور پسماندہ کرنے کی کوشش کی تاکہ محض وہ غلام بن جائیں۔ نئی تہذیب نے جب ہندوستان میں اپنا اثر دیکھایا تو یہاں کے ہندوؤں نے نئی تبدیلی کو سمجھا اور خود کو تبدیل کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہاں کے ہندو اُس وقت سے آج تک آگے آگے نظر آرہے ہیں جبکہ انگریزوں نے دوسری طرف مسلمانوں کے تمام ادارے اور ان کی اجتماعیت کو ہر طرح سے درہم برہم کر دیا۔ سرسید کا خیال تھا کہ جب تک مسلمان انگریزی تہذیب و تعلیم کو نہیں اپنائیں گے اس وقت تک وہ دوسری قوموں کے ہم پلہ نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ سرسید اپنے لڑکے محمود کے ساتھ انگلستان گئے اور وہاں کی ترقیوں و خوشحالیوں کا بغور مطالعہ کیا ۱۸۶۹ء میں واپس ہندوستان آئے اور ایک پرچہ "تہذیب الاخلاق" کے نام سے جاری کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے اندر تعلیمی بیداری پیدا کی جائے۔ سرسید نے ایجوکیشنل سوسائٹی اور سائنٹفک سوسائٹی وغیرہ بھی قائم کی۔

ولیم میور مشہور مستشرق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک کتاب "لائف آف دی محمدؐ" کے نام سے شائع کروائی جس میں اس نے حضورؐ پر بے جا الزامات بھی لگائے۔ سرسید نے انگلستان جا کر اپنی کتاب سیرت احمدیہ کے نام سے شائع کروائی۔ اور انگریزوں کو اپنی غلطی کے اعتراف کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس سے سرسید کے عشق رسولؐ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سرسید نے کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں "اسباب بغاوت ہند" "آثار الصنادید" سیرت احمدیہ اور قرآن مجید کی تفسیر خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن پر علماء اسلام نے کلام کیا ہے اور اس سے اختلاف کیا ہے علماء اسلام نے سرسید کے تعلیمی نظریات کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ ان کے بعض مذہبی عقائد کی وجہ سے علماء کا طبقہ ان کا مخالف ہو گیا۔ سرسید نے خود محسن الملک کو یہ کہا تھا کہ میری

تفسیر ایک الماری میں بند رہے یہی میری خواہش ہے۔ بہر حال سرسید کی تعلیمی جد و جہد جاری رہی اور عام مسلمانوں کی حمایت دار العلوم یا کالج قائم کرنے کے حق میں جاری رہی۔ بالآخر ۱۸۷۵ء کو سرسید نے علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم کی بنا ڈالی جس کا نام محمڈن اینگلو اورینٹل کالج رکھا گیا۔ جو بعد میں ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا، وہ آج تک قائم ہے۔ اسی یونیورسٹی کی رہین منت ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، نواب لیاقت علی خاں، ڈاکٹر ذاکر حسین، خان عبدالغفار خاں، سردار ایوب خاں، سید احمد ٹونکی، راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، شیخ محمد عبداللہ وغیرہ اسی یونیورسٹی کے پروردہ ہیں۔

سرسید اس دور کے پروردہ تھے جس دور میں انہوں نے ایک تہذیب کو لٹتے ہوئے اور دوسرے کو ابھرتے ہوئے دیکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے وہی کام انجام دیا۔ جو کام بنگال کے ہندو مصلح راجہ رام موہن رائے نے اپنی قوم کے لیے کیا تھا۔ سرسید کا پختہ یقین تھا کہ اگر مسلمان مغربی علوم حاصل کرنے میں ناکام رہے اور محض سیاست میں دلچسپی لیتے رہے تو وہ ہمیشہ کیلئے دوسرے فرقوں سے پیچھے ہو جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ سرسید نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔ اسی زمانے میں ۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد ایک انگریز "مسٹر ہیوم" نے ڈالی تھی۔ سرسید کا خیال تھا کہ اس وقت مسلمانوں کو تعلیم پر توجہ دینی چاہیے آنے والے دنوں میں خود مسلمان اپنی راہ بنا لیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان کے لوگ خود قانون بنائیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔ اس لحاظ سے سرسید کی رائے دور اندیشی اور دانشمندی پر مبنی تھی۔ چنانچہ سرسید کے ۱۸۹۸ء میں انتقال کے کوئی ۸/۹ سال بعد ہندوستانی مسلمانوں نے مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی جس میں سرسید کے رفیق خاص وقار الملک پیش پیش تھے سرسید وقتی طور پر سب سے تعلیم چاہتے تھے جو اس وقت کا اہم تقاضہ تھا۔

دیوبند تحریک

دیوبند تحریک بھی علمی تحریک ہی تھی ۱۸۵۷ء کے ناکامی کے بعد ہندوستان کے علماء یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے۔ جس کے ذریعہ اپنے نقصان کی تلافی کی جاسکے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں علماء نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ علماء کی ایک بڑی تعداد ملک سے ہجرت کر کے مکہ چلی گئی تھی۔ جن میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

دیوبند تحریک دراصل شاہ ولی اللہؒ کی فکر ارتقار کی ایک منزل تھی۔ مولانا محمد یعقوب مولانا محمود حسنؒ اور بانی دیوبند مولانا قاسم نانوتویؒ شاہ ولی اللّٰہی فکر کے ہی خوشہ چیں تھے۔ خاص بات یہ ہے کہ مولانا نانوتویؒ بھی مولانا مملوک علی کے شاگرد رشید تھے۔ اور سرسید کے دہلی کالج کے ساتھی تھے۔

۱۸۳۱ء میں مجاہدین اسلام کو بالاکوٹ میں ہزیمت اٹھانی پڑی ۱۸۵۷ء میں علماء کی بڑی تعداد شہید کی گئی۔ بڑی بڑی لائبریریاں جلا دی گئیں۔ مولانا فضل حق خیرآبادیؒ کو کالا پانی کی سزا دی گئی۔ شاملی[1] کے محاذ پر مولانا ضامن علیؒ شہید کئے گئے۔ ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ انگریزوں نے علماء کو وہابی کا لقب دے کر عوام سے رشتہ کاٹنے کے لئے جدوجہد شروع کر دی تھی۔ درباری علماء کی ٹیم تیار کی جارہی تھی تاکہ جہاد کی مخالفت کریں۔ ان کو اس کام کے عوض انگریز سرکار تنخواہیں دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے ۱۸۵۷ء سے کافی پہلے ہی ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیا تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ اب ہندوستان امن و سکون کا گہوارہ نہیں ہے۔ بلکہ جنگ و جدال کا مسکن ہے۔ انگریز مسلمانوں سے بہت زیادہ خائف تھے۔ اس لئے ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہاں ہندو اور مسلمانوں میں تفریق قائم کی جائے۔ اور مسلمانوں کو ہر طرح سے تباہ و برباد کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں سے ایک ایک کر کے بدلہ لیا گیا۔ جبکہ ہندوؤں کو مراعات دی جانے لگیں۔ بعد میں پھر پالیسی اختیار کی گئی کہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ

[1] شاملی مظفر نگر کا ایک قصبہ ہے۔

ملایا جائے اور ہندوؤں کو دبایا جائے۔ انکی یہ پالیسی "تفریق ڈالو اور حکومت کرو" کی بنیاد پر مبنی تھی۔ بہرحال ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد مسلمانوں کے لئے یہاں جینا دوبھر ہو گیا تھا علماء اسلام انگریزوں کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ملکہ برطانیہ کی تاجپوشی کی خوشی میں جب دہلی میں جشن منایا جا رہا تھا تو ان دنوں مولانا نانوتوی دہلی میں مقیم تھے۔ مولانا فوراً یہ سن کر دہلی سے دیوبند کے لئے روانہ ہو گئے۔ کہ خوشی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی جائے گی۔ ایک دوسرا واقعہ دیوبند میں ایک زمین کے تنازعہ کا ہے ایک قطعہ آراضی ہندو اور مسلمانوں کے درمیان وجہ نزاع تھی۔ معاملہ انگریز جج کی عدالت میں آیا ہندو مدعی نے کہا کہ اس سلسلے میں ایک ہی گواہ ہے وہ جو کہہ دے ہم سے مان لیں گے اس نے مولانا نانوتویؒ کا نام پیش کیا۔ مولانا کورٹ میں حاضر ہونے کے لئے تیار نہ تھے اس لئے کہ وہاں تو انگریز جج تھا ان کی حمیت کے خلاف بات تھی کہ مولانا ایک انگریز جج کے روبرو ہو کر گواہی دیں۔ لہٰذا پردہ لگا کر مولانا نے گواہی دی۔

علماء کی انگریز دشمنی۔ علمائے دیوبند انگریزی زبان و ادب کے مخالف نہیں تھے ان کے پیش رو شاہ عبدالعزیزؒ نے تو انگریزی زبان پڑھنے کی اجازت دی تھی۔ خود مولانا نانوتویؒ بھی اس بات کے قائل تھے۔ بلکہ ایک بار سفر حج میں جب ایک یورپین نے اسلام جاننے کے لئے مولانا سے گفتگو کی تو مولانا نے اسے اردو میں بتایا اور مترجم کے ذریعہ اس تک مولانا کا پیغام پہنچایا گیا۔ مولانا کا خیال تھا کہ اگر میں اس کی زبان میں اسلام کی صداقت بتاتا تو شاید وہ اسلام قبول کر لیتا مولانا نے فرمایا کہ حج سے واپس آکر انگریزی سیکھوں گا۔ بہرحال علماء کو انگریزی زبان سے نہیں بلکہ انگریزی تہذیب سے دشمنی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر علمائے اسلام نے دیوبند میں ۱۸۶۶ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام دارالعلوم دیوبند رکھا جو آج بھی علم دین کا ایک بڑا مرکز ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا مقصد بتاتے ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ قاسمی نے فرمایا

تھا کہ حضرت الاستاذ یعنی مولانا نانوتوی نے مدرسہ محض تعلیم کے لیے نہیں قائم کیا تھا بلکہ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا۔ اور اس کے قائم کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ انگریزی حکومت دیوبندی فکر و مدرسہ کے شدید مخالف رہی۔ دیوبند کے علماء نے ہمیشہ ہی انگریزوں کی مخالفت کی۔ دیوبند کے مشہور علماء میں مولانا محمود حسن قاسمیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد میاںؒ صاحب مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ بعض دوسرے علماء جن کا تعلق دیوبند سے نہیں تھا لیکن وہ دیوبند طرز کی تحریک کے حامی تھے اور اسی راستے کو اپنا کر جنگ آزادی میں حصہ لے رہے تھے۔ ان میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ علماء دیوبند نے صرف آزادی کی جد و جہد میں حصہ نہیں لیا بلکہ رشد و ہدایت، فقہ، حدیث اور مسلمانان ہند کی قیادت میں اہم رول ادا کیا۔ جمعیۃ العلماء کے بانی یہیں کے علماء تھے۔ جو بعد میں کانگریس کے شانہ بشانہ چل کر آزادی ہند کے جد و جہد میں مصروف رہی۔ دیوبند میں ایک دوسرا گروپ بھی علماء کا تھا جس میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا تھانوی تھے۔ جو کانگریس سے الگ ہٹ کر مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ اور ملک کی تقسیم کی حمایت کر رہے تھے۔

دیوبند تحریک کا زبردست اثر معاشرے پر پڑا مسلمانوں کے اندر علمی فکری بیداری آئی۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کے کارناموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

محمد الیاس ایم اے علیگ ریسرچ اسکالر

امام عثمان بن سعید ورش مصریؒ

(۱۱۰ - ۱۹۷ھ = ۷۲۸ - ۸۱۲ء)

نام و نسب عثمان نام، ابو سعید کنیت[1]، ورش لقب اور شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔ عثمان بن سعید بن عدی بن غزوان بن داؤد بن سابق قبطی مصریؒ[2]۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عثمان بن سعید بن عبداللہ بن عمرو بن سلیمان بن ابراہیم ہیں[3]۔ مگر یاقوت الرومی نے اول الذکر ہی کو زیادہ مشہور قرار دیا ہے[4]۔

ورش کی کنیت میں اختلاف ہے کسی نے ابو سعید کسی نے ابو القاسم اور کسی نے ابو عمرو بتایا ہے لیکن علامہ ابن الجزریؒ نے ابو سعید ہی کو امام ورش کی کنیت قرار دیا ہے[5] یاقوت رومی نے بھی اسی کنیت کو زیادہ مشہور لکھا ہے[6]۔

امام ورشؒ آل زبیر بن العوام کے آزاد کردہ غلام اور اصلاً قبطی تھے[7]۔ بعض لوگوں نے امام ورش کو افریقی لکھا ہے[8]۔ لیکن وہ اس کا کوئی معقول سبب نہیں بتا سکے ہیں۔

لقب امام عثمان بن سعید کا لقب ورش تھا اس لقب کی توجیہ میں کئی دلچسپ اقوال ہیں مثلاً یہ لقب ان کے شیخ امام نافع بن ابو نعیم مدنیؒ نے اس کی سرخ و سفید رنگت کی وجہ سے دیا تھا۔ لغت میں ورش "ابیض اللون" کو کہتے ہیں بعض انہیں ورشان کہا کرتے تھے مثلاً ورشان کہاں ہیں ورشان آؤ ورشان پڑھو وغیرہ[9]۔ علامہ دمیری کا بیان ہے کہ امام ورش چونکہ بڑے خوش آواز تھے اس لیے امام نافع مدنی انہیں

[1] یاقوت الرومی، معجم الادباء ۵/۳۳ مطبع ہندیہ بالموسکی مصر [2] علامہ ابن الجزری، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/۵۰۲ مکتبہ الخانجی مصر ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء [3] معجم الادباء ۵/۳۳ [4] غایۃ النہایہ ۱/۵۰۲
[5] معجم الادباء ۵/۳۳ [6] ابن العماد حنبلی، شذرات الذہب ۱/۳۴۹ مکتبہ القدسی قاہرہ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء
[7] علامہ ذہبی، معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۵۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت — [8] ایضاً و معجم الادباء ۵/۳۳ [9] غایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ و معجم الادباء ۵/۳۳

ورشان کہا کرتے تھے جو ان کا لقب ہو گیا اور کثرت استعمال کی وجہ سے الف اور نون ساقط وحذف ہو گیا اور صرف لفظ ورش باقی رہ گیا[1] کہا جاتا ہے کہ ورشان ایک معروف پرندہ ہے[2] جسے بعض لوگوں نے کبوتر اور قمری لکھا ہے[3] ایک روایت یہ بھی ہے کہ ورش ایک چیز ہے جو دودھ سے تیار کی جاتی ہے[4] یا یہ کہ یہ پنیر یا پنیر کے قسم کی کوئی چیز ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ امام ورش پست قد ہونے کے باوجود مختصر لباس پہنتے تھے جس سے ان کی پنڈلیاں صاف نظر آتی تھیں جسے دیکھ کر امام نافع مدنی انہیں ورشان کہا کرتے تھے[5] لیکن ان تمام اقوال میں زیادہ صحیح یہی ہے کہ امام ورش زیادہ گورے تھے اور اسی رنگت کی وجہ سے انہیں ان کے شیخ امام نافع بن ابو نعیم مدنی نے یہ لقب دیا تھا یہی خیال علامہ سیوطی اور ابن العماد حنبلی کا بھی ہے۔ وهو الذي لقب بورش لشدة بياضه[6]

قاری حبیب اللہ صاحب لکھتے ہیں۔
"زیادہ سفید یا گورا رنگ ہونے کی وجہ سے امام نافع نے آپ کو ورش کا لقب دیا تھا"[7] بہر حال یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ اصل نام کے بجائے ان کی شناخت ہی اس لقب سے ہونے لگی خود امام ورش کو اپنے نام کی بہ نسبت یہ لقب زیادہ پسند تھا علامہ ابن الجزری کا بیان ہے کہ امام ورش اس لقب سے بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ یہ میرے استاد کا عطا کیا ہوا نام ہے[8]

ولادت و وطن

امام ورش کی ولادت ۱۱۰ھ/۷۲۸ء میں بزمانہ خلافت ہشام بن عبد الملک مصر میں ہوئی۔[9] علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے امام ورش کا سنہ

---

[1] معرفۃ القراء ۱/۱۵۲ وحیاۃ الحیوان ص [2] معجم الادباء ۵/۳۳ ومعرفۃ القراء ۱/۱۵۲
[3] مولانا محمد اسحاق بھٹی، مضمون چند قراء ماہنامہ المعارف لاہور مارچ ۱۹۸۳ء ص ۲۵
[4] معجم الادباء ۵/۳۳ وغایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ [5] ایضاً [6] علامہ سیوطی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ ۱/۲۰۷ مطبع الشرفیہ مصر وشذرات الذہب ۱/۳۴۹ [7] قاری حبیب اللہ قراء سبعہ ص ۲۰۲ [8] غایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ ومعرفۃ القراء ۱/۱۵۲ [9] ایضاً وشذرات الذہب ۱/

ولادت ۱۱۵ھ لکھا ہے[10] لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ورش کی سنہ ولادت کے بارے میں تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ انکی ولادت ۱۱۰ھ میں ہوئی علامہ سیوطی نے اپنی رائے کی تائید میں کوئی وجہ اور دلیل بھی پیش نہیں کی ہے۔

حصول علم اور شیوخ

امام ورش مصری کی ابتدائی تعلیم کے متعلق زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں ۱۵۵ھ یعنی ۴۵ سال کی عمر میں منصور کے دور خلافت میں امام نافع بن ابو نعیم مدنی سے تحصیل علوم قرآنی کے لئے مصر سے مدینہ منورہ کا رخ کیا[11] امام نافع مدنی کے یہاں کثرت طلبہ کی وجہ سے کسی شخص کو پڑھنے کا موقع مشکل ہی سے ملتا تھا اور اگر کسی خوش بخت کو موقع ملتا بھی تو تیس آیات قرآنی سے زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی امام ورش کو اپنی تعلیم کے لئے بعض لوگوں کی سفارش پیش کرنی پڑی اور کہا کہ یہ شخص حاجی یا تاجر نہیں محض حصول قرأت کی غرض سے مصر سے مدینہ آیا ہے امام نافع مدنی نے کہا کہ آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ میں مہاجرین وانصار کی اولاد کی تعلیم کی وجہ سے کتنا عدیم الفرصت رہتا ہوں جب زیادہ اصرار کیا گیا تو رات کو مسجد نبوی میں رہنے کی تاکید کی اور جب فجر کے پہلے امام نافع مدنی مسجد میں تشریف لائے تو دریافت کیا کہ وہ مصری کہاں ہے ورش حاضر ہوئے تو انہوں نے کچھ اصول وقواعد بتائے اور پڑھنے کا حکم دیا اور جب امام ورش تیس آیتیں پڑھ چکے تو خاموش ہو جانے کا حکم دیا اور اذاں ان کے تلامذہ میں سے ایک نے کھڑے ہو کر کہا اے شیخ اللہ آپ کو عزت دے ہم آپ کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں رہتے ہیں اور یہ شخص مصر سے ہجرت کر کے آپ کے پاس صرف حصول علم قرأت کے لئے آیا ہے لہذا میں اپنے اوقات میں سے دس آیات کے بقدر وقت اس کو دیتا ہوں پھر اسی طرح ایک اور نوجوان طالب علم نے ایثار و ہمدردی کا جذبہ دکھایا جس کے بعد امام ورش نے تیس آیتیں اور پڑھیں اور اسی طرح پچاس پچاس آیتیں کر کے کئی بار قرآن پاک

---

[10] حسن المحاضرہ ۱/۲۰۷
[11] معرفۃ القراء ۱/۱۵۲ وغایۃ النہایہ ۱/۵۰۲

پڑھا[1]۔ اور بڑی مہارت وصلاحیت پیدا کی۔

یونس بن عبدالاعلیٰ کا بیان ہے کہ امام ورشؒ نے فرمایا کہ میں امام نافع مدنی کے سامنے قرآن پاک کا ساتواں حصہ پڑھتا تھا اور میں نے سات دنوں میں قرآن ختم کیا اور برابر ایسا ہی کرتا رہا یہاں تک کہ ایک ماہ میں چار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا اور روانہ ہوگیا[2]۔

تذکرہ نگاروں نے امام نافع مدنیؒ کے علاوہ کچھ اور شیوخ کا بھی تذکرہ کیا ہے ہذلی کا بیان ہے کہ امام ورشؒ نے کچھ کلمات کی روایت عبداللہ بن عامر الکریزی، اسماعیل قسط، عباس بن ولید سے ابن عامر کی سند سے اور حفصؒ سے امام عاصم کوفی کی سند سے اور عبد الوارث سے ابو عمرو کی سند سے اور حمزہ بن القاسم الاحول سے حمزہ کی سند سے کی ہے لیکن یہ بات علامہ ابن الجزری کے خیال میں درست نہیں ہے[3]۔

تبحر علمی امام ورش مصریؒ اپنے علمی تبحر وجامعیت اور اشاعت قرأت کے لئے دیار مصر میں بہت مشہور تھے بیالیس سال تک علم قرأت وتجوید کی خدمت کی علاوہ ازیں لغت وعربیت میں بھی ممتاز مقام حاصل تھا علامہ ابن العماد حنبلی رقمطراز ہیں۔

وکان ماهرا فی العربیة[4]	امام ورش عربی میں بھی ماہر تھے

تذکرہ نگاروں نے شیخ القراء، رئیس القراء اور امام المرتلین جیسے القاب سے نوازا ہے علامہ ابن الجزری لکھتے ہیں۔

شیخ القراء المحققین وامام اهل الاداء المرتلین انتهت الیه رئاسة الاقراء بالدیار المصریة فی زمانه[5]	محقق قراء کے شیخ اور صاحب ترتیل واداکے امام تھے ان کے زمانہ میں دیار مصر میں قرأت انہی پر ختم ہوتی تھی۔

[1] معجم الادباء ۵/۳۳-۳۵ ومعرفۃ القراء ۱/۱۵۲ [2] غایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ [3] ایضاً ۱/۵۰۲
[4] شذرات الذہب ۱/۳۴۹
[5] شذرات الذہب ۱/۳۴۹ وغایۃ النہایہ ۱/۵۰۲

علامہ شاطبیؒ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

وقال عیسیٰ ثم عثمان ورشهم ... بصحبته المجد الرفیع تأثلا

ترجمہ: امام عیسیٰ پھر امام عثمان جو ورش ہیں انہوں نے امام نافع کی صحبت کی وجہ سے بلندی اور بزرگی حاصل کی۔

بعض تذکرہ نگاروں نے امام ورش کو نحوی بھی لکھا ہے یوسف الازرق کا بیان ہے کہ امام ورش نے جب نحو میں مہارت حاصل کر لی تو علم قرأت کی طرف متوجہ ہوئے[1]۔

فن قرأت میں مرتبہ امام ورشؒ کا درجہ ومرتبہ علم قرأت میں بہت بلند اور اعلیٰ وارفع ہے انہوں نے اس فن کی بڑی خدمت کی اور مدۃ العمر اس کی ترویج واشاعت میں منہمک وسرگرداں رہے علامہ ذہبیؒ اور علامہ ابن الجزریؒ کا بیان ہے کہ:

وکان ثقة حجة فی القراءة[2]	امام ورشؒ علم قرأت میں ثقہ اور حجت تھے

تلامذہ اور راوی قرأت صاحب طبقات وتذکرہ نے امام ورش کو کثیر التلامذہ لکھا ہے چند ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

احمد بن صالح الحافظ، داؤد بن ابی طیبہ، ابوالربیع سلیمان بن داؤد المہری، عامر بن سعید، ابوالاشعث الجرشی، عبدالصمد بن عبدالرحمٰن بن القاسم، محمد بن عبداللہ بن یزید مکی، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابو مسعود الاسود اللون، عمرو بن یسار وغیرہ[3]

ان کے علاوہ عبداللہ بن وہب، اسحاق بن حجاج وغیرہ نے فن قرأت کی سماعت کی[4]۔ امام ورش مصریؒ کے سب سے مشہور اور نامور تلامذہ میں یوسف الازرق کا شمار ہوتا ہے جو امام ورش کی وفات کے بعد ورش کی جگہ مسند قرأت پر متمکن ہوئے اور امام ورش ہی کی قرأت کی ترویج واشاعت کی اور انہیں کی قرأت کے راوی کہلائے۔

[1] شذرات الذہب ۱/۳۴۹ وغایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ [2] ایضاً ومعرفۃ القراء ۱/۱۵۲
[3] ایضاً [4] ایضاً

امام ابو یعقوب یوسف بن عمرو بن یسار الازرق مصری ثقہ، صادق، ضابط اور صاحب اتقان تھے امام ورش سے بیس مرتبہ تحقیق و حدر کے ساتھ قرآن پڑھا خود کہتے ہیں کہ جب میں امام ورش کے پاس مقیم تھا تو تحقیق و ترتیل سے اور جب ان کے ساتھ اسکندریہ گیا تو حدر سے قرآن پاک پڑھا کرتا تھا

خزاعی کا بیان ہے کہ اہل مغرب آپ کے سوا روایت ورش کا کوئی طریقہ جانتے ہی نہیں تھے سنہ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

اصول قرأت

امام ورش مصریؒ نے امام نافع بن ابو نعیم مدنی سے جو قرأت اخذ کی تھی بعض مقامات پر اس سے انحراف بھی کیا ہے علامہ ابن الجزری نے غایۃ النہایہ میں لکھا ہے کہ امام ورشؒ کے کچھ اپنے اختیار کردہ الفاظ ہیں جس میں انہوں نے امام نافع کی مخالفت کی ہے جس کو میں نے اپنی جید سند سے روایت کیا ہے[1]

خوش الحانی

اہل مصر مدتوں سے اپنی خوش آوازی اور ترنم کے لحاظ سے عالم میں امتیازی شان رکھتے تھے امام ورش اس مصری امتیاز کے اعلیٰ نمونہ تھے بڑی ہی خوش الحانی اور تحقیق سے قرآن پاک پڑھنے والے تھے ذہبی کا بیان ہے کہ ورش کی قرأت عمدہ تھی اور وہ نہایت ہی خوش آواز تھے جب ورش اور اعراب ادا کرتے تھے تو سامعین اکتاتے نہ تھے سید کا یہ اسلوب بھی نکتے ہیں

ورش کی روایت میں تمام مدود طویل ہیں جو مصریوں کی جہارت اور بلند آوازی سے مناسبت رکھتے ہیں اسی لئے ان خصوصیات کی وجہ سے مصری عموماً ورش ہی کی روایت سے خوب تلاوت کلام پاک کرتے ہیں ورش نہایت خوش الحان و جید قاری

خود امام ورش کا بیان ہے کہ میں اچھی اور بلند آواز والا تھا جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو میری آواز سے مسجد نبویؐ گونج اٹھی ۔

حلیہ

امام ورش مصریؒ کے حلیہ کے متعلق فاضل دمیری نے حیاۃ الحیوان میں لکھا

۱؎ معجم الادباء ۵/۳۴ و معرفۃ القراء ۱/۱۳۴

کہ عثمان بن سعید پستہ قد سرخ رنگ اور فربہ اندام تھے اور آنکھیں کچھ نیلی تھیں علامہ ذہبی اور علامہ ابن الجزری نے بھی یہی لکھا ہے[1]

امام ورش چھوٹا لباس پہنتے تھے اور چھوٹے لباس کی وجہ سے جب چلتے تھے تو انکی پنڈلیاں صاف نظر آتی تھیں[2]، علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ امام ورش مصریؒ اچھے کپڑے پہنتے تھے[3]

وفات

امام ورش کی وفات ۱۹۷ھ / ۸۱۲ء میں بعمر ستاسی سال مصر میں مامون کے دور خلافت میں ہوئی[4] اور موضع قرافہ صغری کی خاک کا پیوند ہوگئے کسی تاریخ گو نے تاریخ وفات عالم دانا سے نکالی ہے۔

علامہ ابن القاصح بغدادی کا بیان ہے کہ مشہور ہے کہ امام ورش کی قبر قرافہ میں ہے[5]۔ علامہ ابن الجزری نے لکھا ہے کہ جب میں مصر کے سفر پر تھا تو میرے احباب نے امام ورش کی قبر کے بارے میں بتایا اور مجھ کو قرافہ صغری لے گئے تو میں نے اس کی زیارت کی[6]

تتمہ:۔ خاتون جنت کے ......

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہؓ سے بہتر اور صاف گو انسان ان کے باپ کے سوا دوسرا نہیں دیکھا، صورت و سیرت میں وہ حضورؐ سے ملتی جلتی تھیں جب وہ آپؐ کی خدمت میں آتیں تو حضورؐ کھڑے ہو کر ان کی پیشانی چوم لیتے اور انہیں پاس بٹھاتے اور جب آپؐ فاطمہؓ کے گھر جاتے تو وہ بھی اسی طرح کرتیں۔

ایک بار حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضورؐ سب سے زیادہ کسے عزیز رکھتے تھے فرمایا فاطمہؓ کو پھر پوچھا "مردوں میں" فرمایا حضرت علیؓ کو کسی نے حضرت علیؓ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ تم اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسول اللہ کی محبوب بیٹی کا شوہر تھا اور جنہیں حضورؐ نے اپنے اہل بیت میں شامل کر کے ان کے لئے دعائے خیر مانگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلم بہنوں کو حضرت فاطمہؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

۱؎ معجم الادباء ۵/۳۴ و معرفۃ القراء ۱/۱۳۴ حیاۃ الحیوان ص و غایۃ النہایہ ۱/۵۰۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ معرفۃ القراء ۱/۱۵۳ ۴؎ ایضاً علامہ ابو عمرو دانی التیسیر ص ۴ و غایۃ النہایہ ۱/۵۰۳ ۵؎ معجم الادباء ۵/۳۴ ۶؎ سراج القاری المبتدی ص ۹ و دائرۃ المعارف مصر ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء ۷؎ غایۃ النہایہ ۱/۵۰۳

خاتونِ جنتؓ کے رہنما نقوش

راحت الفاطمہ مرغوبی

حضرت فاطمہ زہراؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور بہت ہی پیاری بیٹی تھیں۔ ان کا بچپن اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہؓ جیسی عظیم شخصیت کی نگرانی میں گذرا۔ اس وقت حال یہ تھا کہ نبی کریمؐ کو اللہ نے نبوت عطا کی تھی مکے کے کافر پوری قوت سے حضورؐ کی مخالفت کر رہے تھے۔ لیکن اس نازک دور میں حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کا ساتھ دیا اور ساتھ ہی اپنے بچوں کے دلوں میں دین کی حمایت کا جوش بھرتی رہیں۔ جس کا اندازہ حضرت فاطمہؓ کے بچپن کے ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

حضورؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب وہ سجدے میں گئے تو ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے اونٹ کی اوجھ لاکر آپ کے بدن مبارک پر ڈال دی اور قہقہہ لگانے لگے۔ حضرت فاطمہؓ اس وقت چھ برس کی تھیں جب انہیں خبر ہوئی تو دوڑ کر آئیں اور حضور کے اوپر سے اوجھ ہٹائی اور بھرے مجمع میں کافروں کو بہت برا بھلا کہا اور بددعا بھی دی۔ انہیں کافروں سے ذرا بھی خوف نہ تھا وہ بہت نڈر تھیں۔

جب حضرت فاطمہؓ بالغ ہوئیں تو بہت سے صحابیوں نے نکاح کی پیشکش کی لیکن حضورؐ نے بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ سے ۲ھ میں ان کا نکاح کر دیا۔

حضرت علیؓ کا پیغام آنے پر حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے رائے لی وہ بارے شرم کے خاموش رہیں یہ دراصل رضامندی کا اظہار تھا پھر حضرت علیؓ سے

پوچھا تمہارے پاس مہر میں دینے کو کیا ہے؟ وہ بولے کچھ نہیں صرف ایک زرہ ہے" حضورؐ نے کہا بس وہی کافی ہے اسے فروخت کر کے بازار سے سامان لے آؤ خوشبو بھی لانا۔

زرہ کے علاوہ ان کے پاس ایک پرانی یمنی چادر اور ایک بھیڑ کی کھال تھی جو انہوں نے حضرت فاطمہؓ کے حوالے کی۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے پیارے اخلاق سے ماؤں کے دلوں کو موہ لیا تھا انکی شادی کی خوشی سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ ہی کو تھی۔ انہوں نے بطحا سے مٹی منگوا کر مکان کو لیپا پوتا۔ بستر لگایا۔ اپنے ہاتھوں کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے۔ ولیمہ میں چھوارے اور منقے پیش کئے لکڑی کی ایک الگنی تیار کی تاکہ بیٹی اس پر مشک اور کپڑے لٹکائے۔ اور اس "شان" کی چیزیں دیکھ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "فاطمہؓ کے بیاہ سے اچھا بیاہ میں نے نہیں دیکھا"

شہنشاہ مدینہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جو کچھ دیا وہ یہ تھا۔ بان کی ایک چارپائی، چمڑے کا ایک گدا جس کے اندر روئی کے بدلے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے ایک چھاگل، مٹی کے دو گھڑے، ایک مشک اور دو چکیاں لوگ اسے ہی جہیز کہتے ہیں۔

علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ چیزیں حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں نہیں دی گئی تھیں بلکہ حضرت علیؓ پانچ سال کی عمر سے حضورؐ کے پاس رہنے لگے تھے۔ ان کا بچپن حضورؐ کے ساتھ گذرا۔ آپؐ کے یہاں پلے بڑھے جوان ہوئے پھر جب شادی ہوئی تو دوسرے مکان کی ضرورت پڑی۔ حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری مدینہ کے ایک رئیس تھے انہوں نے تحفتاً ایک مکان انہیں دے دیا۔ حضرت فاطمہؓ و علیؓ نئے مکان میں منتقل ہو رہے تھے۔ لہٰذا ضرورت کی کچھ چیزیں حضورؐ نے بھجوادی تھیں ورنہ اسے جہیز کون کہے گا۔ جو لوگ ان چیزوں کو جہیز کہہ کر اسے "سنت" کہتے ہیں وہ ضروریات زندگی اور جہیز کے فرق کو سمجھتے ہی نہیں۔

حضرت علیؓ اپنی غریبی کی وجہ سے دعوت ولیمہ بھی نہ دے سکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ جب اپنے نئے گھر میں گئیں تو حضورؐ آداب اسلامی کے مطابق بیٹی کے گھر گئے ایک برتن میں پانی منگوایا اور حضرت علیؓ کے بازوؤں اور سینے پر پانی چھڑکا۔ پھر عزیز بیٹی کو بلایا۔ حضرت فاطمہؓ مارے شرم کے جھجکتی ہوئی آئیں آپؐ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

حضورؐ کی ایک حدیث ہے جس کی راوی حضرت عائشہؓ ہیں۔

اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَؤُنَۃً ۔ بڑی برکت والا نکاح وہ ہے جو کم سے کم مصارف و محنت سے وجود میں آئے۔

کاش کہ آج کے مسلم نوجوان اور ان کے والدین اسی حدیث پر عمل کرتے

حضرت فاطمہؓ بہت ہی سادہ زندگی گذارتی تھیں۔ گھر کا سارا کام اور بچوں کی دیکھ بھال بھی خود ہی کرتیں۔ چکی چلاتے چلاتے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے اور چولہے کے پاس بیٹھنے سے کپڑے گرد و غبار سے اٹ جاتے تھے۔

ایک بار حضرت علیؓ ان کے ہاتھوں کے چھالے دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے حضورؐ کے پاس مال غنیمت میں لونڈیاں آئی تھیں۔ حضرت علیؓ نے سمجھا بجھا کر حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ اپنی مدد کے لئے ایک لونڈی مانگ لیں۔ بی بی فاطمہؓ شوہر کے حکم سے چلی تو گئیں مگر ادب و لحاظ اتنا تھا کہ کچھ کہا نہیں اور واپس آگئیں۔ جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو انھوں نے کہا کہ اے فاطمہؓ! کیوں نہ میں اس مال سے بہتر چیز تم کو دوں۔ تم ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ کر سویا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

ایک بار حضرت علیؓ نے بی بی فاطمہؓ کو سونے کا ہار لا کر دیا۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا۔ فاطمہؓ! کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ بیٹی نے فوراً ہار بیچ کر ایک غلام خریدا اور بعد میں اسے بھی آزاد کر دیا۔

حضرت علیؓ مزدوری کر کے گھر لوٹتے اگر راستے میں کوئی ضرورت مند ہاتھ پھیلا دیتا تو اس کی ضرورت پوری کر کے خالی ہاتھ گھر لوٹ آتے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ شوہر اور بچوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھیں ابھی پہلا نوالہ اٹھایا ہی تھا کہ کسی محتاج نے صدا لگائی سبھوں نے ہاتھ روک لیا اور کھانا محتاج کو دے کر پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کر کے سو رہے۔

ہاں یہ تھی اہل بیت مطہر کی زندگی ۔ یہ ماجرائے دختر خیر الانام ہے

شادی کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر کوئی پندرہ سولہ سال تھی۔ حضرت علیؓ کی طرف سے تو حضورؐ کو اطمینان تھا کہ جس طرح حضورؐ سے تربیت حاصل کی ہے اسی طرح زندگی گذاریں گے۔ مگر نا تجربہ کار اور بھولی بھالی بیٹی کی طرف توجہ ضرور تھی۔ اور وہ دونوں کے تعلقات کو خوشگوار بنائے رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

ایک بار حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ سے کچھ شکایت ہو گئی اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ حضور کے پاس شکوہ کرنے چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی گئے۔

بی بی فاطمہؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا "بیٹی تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ ایسا کون شوہر ہے جو اپنی بیوی کے پاس خاموشی سے چلا آتا ہے؟"

ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ نے اس موقع پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے "بیٹی بات سنو کوئی میاں بیوی ایسے نہیں ہیں جن کے درمیان کبھی اختلاف رائے پیدا نہ ہوا ہو اور کون مرد ایسا ہے جو ہر کام بیوی کے مزاج کے مطابق ہی کرتا ہے اور اپنی بیوی کی کسی بات پر ناخوشی کا اظہار نہیں کرتا"

اس بات کا دونوں پر اتنا اثر ہوا کہ اس دن سے حضرت فاطمہؓ نے منہ پر تالا لگا لیا اور حضرت علیؓ نے کہا کہ فاطمہؓ آج سے میں تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ کروں گا۔

ان دونوں نے اپنے بچوں کے ساتھ غربت میں رہ کر ساری زندگی اللہ

کی خوشنودی حاصل کرنے میں گزار دی۔

ایک مرتبہ آپؐ نے فاطمہؓ کا نام لیکر فرمایا فاطمہؓ! تو اس فخر میں نہ رہنا کہ تو رسول اللہ کی بیٹی ہے میں تجھے آخرت کی باز پرس سے نہیں بچا سکتا۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے بچوں کی تربیت اسی طرح کی جس طرح خود حضورؐ سے تربیت حاصل کی تھی۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے۔

ایک دفعہ کی بات ہے حسنؓ و حسینؓ بچے ہی تھے کسی بات پر دونوں لڑ پڑے نوبت مار پیٹ کی آ گئی۔ پھر دونوں ماں کے پاس ایک دوسرے کی شکایت کرنے پہونچے ماں نے کہا میں یہ نہیں سننا چاہتی کہ کس نے کس کو مارا میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ اللہ جھگڑنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جس سے اللہ ناراض اس سے میں بھی ناراض۔

دونوں بھائی نے اس بات کا بہت گہرا اثر لیا اور آپس میں صلح کر کے ماں کے پاس پہونچے اور کہا کہ اچھی امی جان اللہ میاں سے ہم لوگوں کی غلطی معاف کرا دیجئے۔ ماں تو اس کی منتظر تھی ہی جھٹ مغفرت کی دعائیں پڑھنے لگیں اور بچے اسے دہرانے لگے۔

اس کے بعد ان دونوں بھائیوں نے دنیا والوں کے سامنے جو نمونہ زندگی پیش کیا اس کے بنانے میں رب کائنات کے علاوہ حضرت فاطمہؓ ہی کا اہم رول تھا۔

حضرت فاطمہؓ کو پانچ اولادیں ہوئیں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ایک لڑکا تو بچپن ہی میں اللہ کو پیارا ہو گیا بقیہ زندہ رہے اور اسی سے حضرت فاطمہؓ کی نسل چلی جو سید کہلاتی ہے۔

دنیا کی ہر شئے فانی ہے اور "ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے" حضرت فاطمہؓ کے مشفق و مہربان باپ بھی دنیا سے چل بسے۔ وفات کے وقت حضورؐ پر بار بار غشی طاری ہوتی۔ حضرت فاطمہؓ یہ منظر دیکھ کر چیخ اٹھتیں۔ حضورؐ نے فرمایا بیٹی! آج کے بعد تیرا باپ کبھی بے چین نہ ہوگا۔ پھر نزدیک بلا کر ان کے کان میں کچھ کہا تو بی بی فاطمہؓ رونے لگیں پھر دوبارہ کان میں کچھ کہا تو ہنسنے لگیں۔ سبھوں کے دل

میں کھوج پیدا ہو گئی حضرت عائشہؓ نے پوچھا تو حضرت فاطمہؓ نے قسم کھا لی کہ میں ابا کے راز کو ظاہر نہ کروں گی۔

حضرت عائشہؓ کو بیٹی پر بڑا ناز تھا حضورؐ کی وفات کے بعد انہوں نے پھر حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ ماں ہونے کے ناطے میرا تم پر جو حق ہے اسی کے واسطے بتاؤ کہ حضورؐ نے تم سے کیا کہا تھا۔

سعادت مند بیٹی نے کہا کہ ہاں اب بتاؤں گی۔ حضورؐ نے پہلی بار مجھ سے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا اور دوسری بار فرمایا کہ میرے خاندان والوں میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ ملو گی۔

باپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ نے گریہ و بکا تو نہیں کیا لیکن پھر انہیں کسی نے ہنستے ہوئے کبھی نہ دیکھا۔

حضرت فاطمہؓ نے زندگی بھر حدود شریعت سے باہر قدم نہیں رکھا۔

حضورؐ کی وفات کے چھ مہینے بعد ہی ۳ر رمضان المبارک ۱۱ھ بروز منگل ۲۹ سال کی عمر میں بی بی فاطمہؓ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔

بی بی فاطمہؓ بہت ہی حیادار خاتون تھیں مرنے سے پہلے انہوں نے خواہش کی تھی کہ میرا جنازہ پردے کے ساتھ تیار کیا جائے چنانچہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے کھجور کی چھال منگوائی اور اس پر کپڑا تان کر ان کا جنازہ تیار کیا۔ آج جہاں بھی میت پر پردے کا رواج ہے بی بی فاطمہؓ ہی کی دین ہے۔

بی بی فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو بس دو چکیاں ہی وارثوں کو ترکہ میں ملیں۔ ایک بار حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے گھر والوں کو دنیا کے ٹھیکروں میں پھنسانا نہیں چاہتا اور بی بی فاطمہؓ نے اس کو عملاً سچ کر دکھایا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں میں تقلید کے قابل یہ بزرگ ہستیاں ہیں حضرت مریمؑ بنت عمران، حضرت خدیجہؓ بنت خویلد، حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ اور فرعون مصر کی بیوی حضرت آسیہ علیہا السلام۔

بقیہ ص ۲۲ پر

پڑھ کر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی جون

حافظ بجامہ مارے گرمی کے بجامے سے باہر ہوئے جا رہے تھے۔ بھارا عتاب شاگردوں پر تھا۔ مئی جون کے مہینے میں بھی صراحی میں پانی کے بجائے بچھو بھرے تھے ــــ شدت پیاس میں وہ صراحی کی جانب جھپٹے ہی بچھوؤں نے انہوں نے ہانپتے ہوئے دہن اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسے اپنی جانب کھینچا سیکڑوں بچھوؤں کے ایک غول نے امریکہ کے ایف سولہ بمبار طیاروں کی طرح بیک آواز پرواز مارا ــــ وہ جنگجو پہلوان تو ان کی ریش مبارک کی جانبوں کو چیلنج بولتے اور زبان دراز کو سلامی مارتے سیدھے اللہ کے حلق سے جا ٹکرائے ــــ اب جو انہوں نے آخ تھو، آخ تھو کا پہاڑا پڑھنا شروع کیا تو باورچی خانہ نقار خانے میں تبدیل ہونے لگا ــــ آناً فاناً ہی سارے لڑکے حافظ بجامہ کے گرد سمٹ آئے ــــ حافظ بجامہ نے بچھوؤں کے زور سے کسی طرح ایک تو باہر تھوکا، مگر دوسرا کسی پاکستانی تربیت یافتہ کی طرح آخر کار سرحد پار ہی کر گیا ــــ اب تو ان کی پیاس دو آتشہ ہو گئی ــــ انہوں نے اپنے ایک شاگرد رشید سے گرج کر کہا ــــ "ابے تاکتا کیا ہے، بھاگ کر کولڈ ڈرنک سے ایک بوتل پیپسی (PEPSI) کی لے آ" ــــ حلق میں پھندے ڈالنے والی اور آنکھوں میں آنسو تک لے آنے والی پوری بوتل حافظ بجامہ ایک ہی سانس میں گٹک گئے ــــ ابھی وہ اپنی سانسیں ٹھیک کر ہی رہے تھے کہ انہیں صوفی تمکین کی تحقیق یاد آ گئی ــــ صوفی تمکین کا دعویٰ ہے کہ پیپسی (PEPSI) میں حضرت خنزیر کی چربی ملائی جاتی ہے

اب تو حافظ بجامہ کا دل بیٹھنے لگا۔ انہوں نے بمشکل تمام سیدھے ہاتھ کی تین انگلیوں کے تعاون سے حلق میں کھلبلی مچائی۔ مگر باوجود کوشش کے خاطر خواہ قے برآمد نہیں ہو سکی ــــ پھر بھی حافظ بجامہ حلق کے پیچھے پڑے رہے اور کٹکھنے ستور کی طرح پورے کمرے میں اچھل اچھل کر وحشت پھیلاتے رہے ــــ پر سکون تو وہ اس وقت ہوئے جب کسی طرف سے غشی کا ایک لطیف جھونکا آیا اور انہیں گرم گرم فرش پر سیدھا کر تا گیا۔

حافظ بجامہ کی یہ حرکت غیر فطری نہیں تھی۔ گرمی چیز ہی ایسی ہے کہ اچھے اچھوں کے حواس باختہ کر دے ــــ خیر یہ تو موسم کی گرمی تھی۔ ویسے گرمی کسی چیز کی بھی اچھی نہیں ہوتی ــــ دماغ کی گرمی کا تو پوچھئے ہی مت ــــ ذہین اگر سرگرم نکل جائیں تو نوزائیدہ پہلوان کا اکھاڑا کھیل ــــ نوزائیدہ بچے ایام طفولیت ہی میں استاد الاساتذہ کا تمغا بجانے لگتے ہیں ــــ زہے نصیب اگر کہیں حواس بھی گرم مزاج نکلیں تو بیہ خانہ آفتاب ہو جاتا ہے یعنی کہ پورا گھر فی منٹ ڈیڑھ سو میل کی رفتار سے فراٹے بھرتا ہے ــــ کسی ملک یا قوم کا لیڈر اگر سرگرم نکل جائے تو پھر عوام کا کیا کہنا، پانچوں انگلی گھی میں اور سر کڑاہی میں ــــ شری صدام کو تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، کلنٹن یادو بھی کہیں زیادہ دور نہیں، ادھر یاسر عرفات کا تو جواب ہی نہیں ــــ بزرگوں کا کہنا ہے کہ ساٹھ سال کی عمر میں مرد کی طبیعت عورت کی طرف سے کھٹی ہونے لگتی ہے مگر اس مردود نے عین ساٹھ سال کی عمر میں شادی رچا کر بزرگوں کی روحوں کو مضطرب کر دیا اور پھر اس کی شادی کیا ہوئی گویا حماقتوں کی لاٹری کھل گئی ــــ اب تو معاملہ یہاں تک جا پہنچا ہے کہ تیغ آور گولیاں کھانے کے باوجود بھی جب وہ کلنٹن یار آپن کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو پیچھے سے اس کی پینٹ تر ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس مرض کی شدت میں اس وقت سے بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے کہ جب سے حماس کے جیالوں نے اسے موت کی دھمکی دے رکھی ہے ــــ غرض دماغ کی گرمی کا مریض میں کیا کیا عرض کروں ــــ

ویسے اس کا علاج بھی کافی دلچسپ ہے۔ حکیم فانوسس کا نسخہ ہے کہ دماغ کی گرمی
کا مریض طلوع آفتاب سے قبل نہار منہ بلا ناغہ سر منڈوائے۔ اس پر سرسوں کا اصلی
تیل ملے نیز ایک عدد تولیہ کندھے پر جمائے اور پھر کم از کم کسی دس سالہ پرانے
تالاب کے کنارے بالکل ترو تازہ کدو اس وقت تک چھیلتا رہے کہ جب تک
سورج مکمل طلوع نہ ہو جائے۔ یہ عمل پابندیٔ وقت کے ساتھ مسلسل بیس دن
تک دہرایا جائے۔ عامل اسی پر کارکردگی کے ساتھ مکمل شفا پائے ——— دوسرا
نسخہ سلطان الطریقت و مقتدائے اہلِ بصیرت صوفی اللہ رکھا مدظلہ العالی کا ہے سال
کا کہنا ہے کہ رات بے ٹھیک بارہ بجے کسی پہنچے فقیر کی قبر پر سر کے بل کھڑے ہو کر ایک
ہزار بار "یاغوث انصر دماغ ٹھنڈا کر" کا ورد کیا جائے نیز ہر سیکنڈ پر اسی حالت میں
دو دو کیلے کھائے جائیں مگر واضح رہے اگر بحالت سر کے بل کیلا منہ کے بجائے کہیں
ناک میں چلا گیا تو وظیفہ از سر نو شروع کرنا پڑے گا۔

اکثر لوگ گرمی کے موسم کو دیگر موسموں کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتے ہیں
اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ مفتوح کے مقابلے میں فاتح سے ہر شخص
محبت رکھتا ہے بایں طور کہ بہت دنوں قبل زمانہ قدیم میں گرمی اور ٹھنڈک میں طاقت
کا مقابلہ ہوا تھا کہ جو انسان کا لباس اتروا لے وہ کامیاب اور بالآخر گرمی
کامیاب رہی کہ اس نے انسان کو گرما کر اسے بے لباس کر دیا تھا ——— غالباً
اسی واقعے کا اثر کاندھی جی پر تادمِ مرگ باقی رہا تھا ——— دوم چونکہ یہ جلسے جلوس
کا موسم ہوتا ہے اور چھوٹے چھوٹے جلسوں سے لیکر بڑی بڑی کانفرنسیں تک عموماً اسی
موسم میں ہوتی ہیں نیز مقررین و سامعین کے دل و دماغ کے ساتھ ساتھ ان کی جیبیں بھی گرم
ہوتی ہیں لہٰذا لوگ اسی موسم کے رسیا ہیں ——— سوم چونکہ عموماً لوگ اس موسم میں مجرد
سے مزید ہوتے ہیں اور ہر چہار جانب رونق ہی رونق ابلتی ہے نیز جا بجا وہ وہ دھوم
دھڑکا مچتا ہے کہ بیان سے باہر۔ بھٹیرے لوگ ادھر ادھر کرتے پھرتے ہیں لہٰذا لوگ
دل و جان سے اس موسم کے عاشق ہیں۔

تذکرہ جب گرمی کا چل نکلا ہے تو مجھے یاد ماضی کے دھندلے ہیں واقعات کے کچھ
ہیولے نظر آنے لگے ہیں اور آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یادِ ماضی عذاب ہے یا رب۔ عذاب
کو مصیبت بھی کہتے ہیں اور مصیبت رونے گانے سے کچھ ہلکی ہوتی ہے ——— گرمی
کے زمانے میں مچھروں کی جد مسلسل اور ان کے عمل پیہم سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔
شیطان کی طرح دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نیچے سے وہ ایسی یلغار کرتے ہیں کہ چھٹی
کا دودھ یاد آ جائے ——— کسی کو اگر اس کا تلخ تجربہ نہ ہو تو ریاست رامپور جا کر اس کا تجربہ کرے
رامپور جو کبھی چاقو اور ٹوپی کے لئے مشہور تھا، اب حرف "میم" کی یکجائیت لئے ہوئے
"مچھر"، "مکھی"، "ملا"، "مسجد" نعمان شہرت شہر رامپور کے درخشاں ستارے ہیں نیز مچھر کا مقام سرِ فہرست ———
آپ یقین کیجئے ——— یہ دولت تو وہاں رہ چکا ہے ——— بارہ بجے دن میں بھی وہ اس
قدر دیدہ دلیری کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دریغ حملہ آور ہوتے ہیں کہ آدمی تھوڑی
دیر کے لئے شک میں آ جائے کہ یہ مچھر ہیں یا شہد کی مکھیاں؟ ——— بعض لوگ تو مچھروں سے تنگ
آ کر انہیں ماں بہن کی ایسی ایسی برہنہ گالیاں دے ڈالتے ہیں کہ سننے والے شرما جائیں ———
ہمارے زمانہ طالب علمی میں ہمارا ایک بہت ہی ظریف ساتھی تھا۔ مچھر جب سے تنگ کرتے تو وہ انہیں
صلواتیں سناتا مگر کبھی کبھی نہایت ادب کے ساتھ باآواز ترنم بڑی اپنائیت کے ساتھ ان
سے یوں شکایت بھی کرتا ——— "یاایھا المچھر لم تھنبھنت علی کانی انا انسان غریب
لیس لی مچھر دانی" ——— مگر اردو داں مچھر عربی کیا سمجھے بقول کسے "زبان یار من ترکی و
من ترکی نمی دانم"۔ ویسے عربی داں مچھر بھی شاید ہی ایسی ترقی یافتہ عربی سمجھتے لہٰذا وہ دھڑلے سے کاٹتے
رہتے ——— ویسے مچھروں کو کاٹتے وقت شاید اپنی اوقات بھول جاتی ہے۔ انہیں صرف اپنی
تاریخ کا نمرودی واقعہ ہی یاد رہتا ہے جبکہ ایک دوسرا واقعہ ان کی نظروں سے اوجھل ہے
یا جسے بلی کی طرح انہوں نے اسے عمداً اوجھل کر رکھا ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ ایک مچھر طرم
خاں نے ایک شیر ببر کو کاٹ کھایا اور مخصوص زعم میں یہ کہتا ہوا اڑا کہ مجھ سے زیادہ طاقت ور
کوئی نہیں، میں نے تو شیر ببر کو بھی مات دے دی۔ وہ اپنا خطبہ جاری رکھتے ہوئے تھوڑا اور
اوپر ہوا ہی رہا تھا کہ ایک مکڑی کے جال میں پھنس گیا پھر کیا ہوا؟ وہی جو ہونا تھا ———

اونٹ سے یکدم شہری ہو گئے   وہ دوسرے نمبر کے شہری ہو گئے

اپریل کے اواخر میں جامعہ بحر العلوم میں ایک عظیم الشان جلسہ تھا ـــــ سہولت کی خاطر بڑے بڑے ڈرم میں شربت گھولے گئے تھے۔ خلق کثیر ان سے فیض یاب ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور پر استنجا کے لوٹے بھی رکھے ہوئے تھے۔ بلا کی گرمی پڑ رہی تھی اور گرمی میں انسان کی عقل ماری جاتی ہے ـــــ مولوی ہدہد کو استنجا کی ضرورت محسوس ہوئی وہ پسینے میں شرابور جھونکا مارتے ہوئے آئے اور شربت کا لوٹا لے کر چلتا بنے۔ رات کی وجہ سے اس وقت تو کچھ نہیں ہوا البتہ صبح ہوتے ہی مکھیوں کے غول در غول نے آگے پیچھے سے جو انہیں نرغے میں لیا تو لوگوں میں بے چینی پھیلی ـــــ صوفی نمکین نے مولوی ہدہد کو پاس بلا کر چپکے سے کان میں کہا "رات گوشت میں چربی زیادہ تھی، خیر سے گرمی بھی بلا کی تھی، تمہیں احساس نہیں ہوا ہو گا، جاؤ غسل کر آؤ۔"

مئی کا واقعہ ہے۔ چچا چھکن کپڑا فروشی کو بھی جانتے تھے۔ ماشاء اللہ صوم وصلوٰۃ کے کافی پابند ہیں۔ گاؤں گاؤں گھوم گھوم کر کپڑے فروخت کرتے ہیں۔ مگر شاید ہی کوئی نماز بے جماعت ہو جائے۔ اکثر یاد ضرور رہتے ہیں کہ موقع ملتے ہی جماعت سے نماز ادا کریں ـــــ غرض ایک گاؤں میں انہیں پھرا پھرتے ہوئے رات ہو گئی۔ سودا بیچتے اور معاملہ نمٹاتے پگڈنڈی پر گزر رہے تھے کہ سامنے مسجد آگئی۔ عشاء کی جماعت کھڑی تھی۔ قاری صاحب جلدی ہی فارغ ہو کر آئے تھے۔ غالباً انہوں نے سورہ بقرہ شروع کر رکھی تھی۔ چچا چھکن چونکہ اہل حدیث تھے لہٰذا اس خوف سے کہ کہیں امام صاحب رکوع میں نہ چلے جائیں اور رکعت چلی جائے پیٹھ پر کپڑے کا گٹھر سمیت صف میں کھڑے ہو گئے۔ ادھر امام صاحب قرأت روکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے ـــــ چچا چھکن جب پسینے میں نہا گئے اور گٹھر کی وجہ سے نقاہت محسوس کرنے لگے تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ انہوں نے گٹھر اتار کر نیچے پٹخا اور بلند آواز سے بولے "اب میں پھر سے نیت باندھ رہا ہوں امام صاحب اگر اپنے باپ کے اصل نہیں اگر آج پورا قرآن نہ ختم ہو جائے۔"

جون کے مہینے کا واقعہ ہے۔ شنکر دیال جی ایک اچھے آدمی ہیں۔ سید فردوسی

کی جماعت اسلامی سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ اسلام کی بہت ساری تعلیمات سے متاثر ہیں خاص طور سے پیشاب کے وقت طہارت لینا خواہ ڈھیلے ہی سے کیوں نہ ہو انہیں کافی پسند ہے ـــــ جون کے مہینے میں کھیت کی جوتائی ہو گئی تھی۔ تا حد نظر ڈھیلے ہی ڈھیلے تھے۔ شنکر دیال جی نے سوچا کیوں نہ میں آج پہلی بار ڈھیلے سے استنجا کر دوں ـــــ غرض وہ کھیت میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگے۔ پھر انہوں نے ادائے بے نیازی سے ایک ڈھیلا اٹھایا۔ شومئی قسمت ڈھیلے میں ایک بچھو چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے بے فکری میں ڈھیلا جو استعمال کیا تو اچانک اچھل کر کھڑے ہو گئے ـــــ عالم بے قراری میں، دوڑتے اچھلتے وہ سید فردوسی کے گھر پہنچے ـــــ سید فردوسی نے انہیں جو اس حال میں دیکھا تو گھبرا گئے ـــــ عالم بے قراری میں پوچھا کیا ہوا شنکر جی؟ ـــــ تو شنکر جی نے جواب دیا کیا ہوا یہاں "مسلمانوں کا استنجا مسلمان ہی برداشت کرے۔"

صوفی قندیل ایک بار پاکستان گئے۔ غالباً جون ہی کا مہینہ تھا۔ گرمی میں انسان بھولتا بہت ہے۔ ایک دن وہ جھٹکے میں ٹرین پر سوار ہوئے ٹکٹ لینا بھول گئے۔ پسینہ تو انہیں اس وقت چھوٹا جب ٹی ٹی نظر آیا ـــــ ادھر ٹی ٹی قریب آتا جاتا تھا ادھر ان کے اوسان دور ہوتے جا رہے تھے کہ اچانک انہیں ایک ترکیب سوجھی۔ صوفی قندیل نے جھٹ سے دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی ـــــ ٹی ٹی نے دیکھا کہ حضرت جی نماز پڑھ رہے ہیں تو وہ آگے نکل گیا کہ ان کا ٹکٹ بعد میں دیکھ لیں گے ـــــ اب صوفی قندیل مطمئن ہو گئے کہ جان چھوٹی ـــــ مگر جب دوبارہ ٹی ٹی کو آتا دیکھا تو دل دھڑکنے لگی۔ گرمی بھی بہت تیز لگ رہی تھی۔ صوفی قندیل نے پھر نماز کی ٹھانی۔ انہوں نے ٹی ٹی کو قریب آتا دیکھ کر زور سے کہا "نیت کرتا ہوں میں ایک ہزار نفل رکعت کی" اور جلدی سے ہاتھ باندھ لئے۔

قصہ کوتاہ کہنا یہ ہے کہ گرمی کا موسم کافی دلچسپ ہے اور عجیب و غریب بھی۔ پنکھے، کولر، فریز، ایئر کنڈیشن، آئس کریم، کولڈ ڈرنک، قلفیاں جتنی کہ گرم مزاج بیویاں یہ سب موسم گرما کی تو دین ہیں۔ نہ یہ موسم ہوتا نہ یہ نعمتیں ملتیں۔ اب تو ان نعمتوں کے صدقے میں بعض لوگوں کا موسم گرما ایسا دبے پاؤں گزر جاتا ہے کہ انہیں کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ غالباً اکبر الہ آبادی کا شعر ہے

بقیہ صفحہ ۳۳ پر

عبدالباری فلاحی

تعارف وتبصرہ

قرآن کی دعوتِ فکر

از ڈاکٹر محمد مسعود عالم قاسمی ناظم دینیات (شعبہ سنی)
اے، ایم، یو علی گڑھ (یو، پی)

صفحات:- ۶۴ قیمت:- ۱۱ روپے

تقسیم کار:- دفتر ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (یو، پی)

محترمی ڈاکٹر محمد مسعود عالم قاسمی کی شخصیت اب علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے موصوف تقریباً درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس قدر کم عمری میں جو عزت اور مقام آپ کو نصیب ہوا وہ کم ہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ زیر تعارف کتاب دراصل آپ کے تین قیمتی مقالات کا مجموعہ ہے جن کے عناوین ہیں ۱۔ قرآن معیار ہدایت ۲۔ قرآن کی دعوت فکر ۳۔ قرآنی واقعات کی حکمت۔

اس کتاب کے مشتملات کا کسی قدر اندازہ ان عنوانات سے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن قدر وقیمت کا صحیح اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہر طالب قرآن اور حامل قرآن اس کا مطالعہ ضرور کرے، کیونکہ یہ ہر ایک کو دعوت فکر دیتی ہے۔ اور قرآن سے صحیح معنوں میں افادہ واستفادہ پر مہمیز لگاتی ہے۔ ذرا اس کے دو پیراگراف ملاحظہ فرمائیں

(۱) "قرآن صرف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانوں کی ہدایت کا صحیفہ ہے اس لئے انسانوں کے بڑے طبقے کا قرآن کے الفاظ ومعانی اور مطالب ومفاہیم سے بے خبر رہنا حاملین قرآن کی کوتاہیوں کا واضح ثبوت ہے۔ خدا نہ کرے کہ دعوت حق میں کوتاہی کتمان حق کے حدود میں داخل ہو جائے اور القرآن ولوگوں کے ساتھ ہمارا بھی مواخذہ کرے جن کے متعلق کہتا ہے۔

"إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ"
(البقرۃ: ۱۵۹)

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم انہیں انسانوں کی رہنمائی کیلئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (ص ۳۶)

(۲) "ہم عصر مسلم معاشرہ میں جس چیز کا فقدان ہے وہ قرآن اور تلوار کا توازن ہے کہیں تلوار ہے قرآن نہیں اور کہیں قرآن ہے تلوار نہیں۔ تلوار کا مطلب لوہے کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ قوت نافذہ اور اجراء احکام کی طاقت ہے حالانکہ اسلامی معاشرہ میں ان دونوں قوتوں کی یکساں ضرورت ہے۔ بغیر تلوار کے قرآن کے احکام کاغذ کے مقدس نقوش رہ جاتے ہیں اور بغیر قرآن کے تلوار شر اور فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں قوتوں کو حاصل کرنے کی جد وجہد کرنی چاہیئے۔" (ص ۳۷)

کتاب کے بعض پہلو اصلاح طلب بھی ہیں جن کی طرف توجہ دینا بھی نہایت ضروری ہے

۱۔ بعض مقامات پر آیات کے بعض اجزاء کے ترجمے چھوٹ گئے ہیں مثلاً ص۸ پر "نزل علیک الکتاب بالحق" ص۱۳ پر "دس سورہ" اور ص۴۵ پر "لا ریب سورہ"

۲۔ بعض مقامات پر آیات کی کتابت غلط ہوئی ہے مثلاً ص۲۱، ص۴۰، ص۴۲، ص۴۳

۳۔ ص۴۰ پر سورۃ الحجرات آیت ۶ "إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ......" کا ترجمہ کیا گیا ہے "اگر کوئی مجہول الحال تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو ......"

اس ترجمے میں "فاسق" کا ترجمہ "کوئی مجہول الحال" کیا گیا ہے۔ جو کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا۔ نہ لغت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ نہ سیاق وسباق ساتھ دے رہا ہے اور نہ ہی معروف مترجمین میں سے کسی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ لہٰذا اس قسم کے ترجموں سے احتراز کرنا چاہیئے۔ خصوصاً جب کہ کتاب قرآنیات پر ہو اور کتاب میں قرآن کو صحیح طور پر پڑھنے پڑھانے کی دعوت دی گئی ہو۔

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

امتحانات اور تعطیل

یہ بات طے پائی ہے کہ ۲؍اگست ۱۹۹۳ء سے ششماہی امتحان شروع ہوگا۔ طالبات کا آخری پرچہ ۱۴؍اگست ۱۹۹۳ء بروز سنیچر اور طلبہ کا ۱۴؍اگست ۱۹۹۳ء بروز اتوار ہوگا۔ طلبہ امتحان کے بعد گھروں کو جاسکیں گے البتہ اساتذہ ۱۹؍اگست ۱۹۹۳ء جمعرات تک رک کر نتائج تیار کریں گے۔ ۲۱؍اگست ۱۹۹۳ء اتوار سے ششماہی تعطیل ہوگی اور دوبارہ جامعہ ۵؍ستمبر ۱۹۹۳ء بروز سوموار کھل جائیگی۔

دفتر انجمن میں ٹیلیفون

انجمن اپنی ضرورتوں کے تحت ٹیلیفون لگوانے کیلئے کافی دنوں سے کوشاں تھی۔ اب الحمد للہ دفتر انجمن میں ٹیلیفون کی سہولت میسر آگئی ہے۔ اس کا نمبر ہے 0546 – 718 115

تدریسی تربیتی کیمپ میں بعض اساتذہ کی شرکت

۲۶؍جون ۱۹۹۳ء سے ۲۱؍جولائی تک اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے الجامعۃ الاسلامیہ تلکھنا سدھارتھ نگر میں لگنے والے تدریسی تربیتی کیمپ میں جناب مولانا کمال الدین صاحب فلاحی، مولانا امیر فیصل فلاحی، ماسٹر عبدالمالک صاحب اعلائی الدین فنی اور ماسٹر معین الدین صاحب نے شرکت کی اور کیمپ سے فائدہ اٹھایا۔ اس موقع پر ہندی نصاب پر نظر ثانی کے سلسلہ میں ہفت روزہ ورکشاپ میں محترم ماسٹر جنید احمد صاحب شرکت کیلئے جامعہ اسلامیہ تلکھنا تشریف لے گئے اور اپنی خدمات پیش کیں۔

کون کہاں ہے؟

برادر عزیز اطہر احسن مستقیمی فلاحی کو "بیسویں صدی میں یوپی میں عربی ادب" کے موضوع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے اعزاز سے نوازا ہے۔ موصوف نے یہ کام ڈاکٹر سید کفیل احمد قاسمی صاحب

کے اشراف میں انجام دیا ہے۔ اس سے قبل وہ ایم فل کی ڈگری "عربی زبان و ادب میں لا محمود جونپوری کی خدمات" کے موضوع پر حاصل کرچکے ہیں۔ ان سے قبل برادر محمد احمد فلاحی، توقیر احمد فلاحی، ابوالمنصور فلاحی اور اطہر کمال فلاحی بھی عربی زبان و ادب پر مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرچکے ہیں۔

نیا تقرر

جناب ماسٹر محمد شفیع صاحب (سنجرپور) ایم اے (انگلش، تاریخ اور اردو) کا تقرر عمل میں آیا ہے۔ موصوف نے شعبہ اعلیٰ میں انگریزی کے استاد کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ ان کا ایک شعری مجموعہ بھی "شگفتہ زخم" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جس پر ہم جلد ہی کسی شمارہ میں تبصرہ کریں گے۔

اساتذہ کی جدائی

حافظ مولانا احسن الاثری صاحب فلاحی اور مولانا مشتاق احمد صاحب فلاحی اپنے حالات کی بنا پر جامعہ سے الگ ہوگئے ہیں۔ یہ دونوں اس وقت سعودی عرب میں ہیں۔ مولانا احسن صاحب عجلت میں گئے، ان کے ساتھ نشست نہ ہوسکی۔ انہوں نے جامعۃ الفلاح میں ابتداءً حفظ مکمل کیا پھر عالمیت و فضیلت کی فراغت کے بعد وہ دفتر تعلیمات میں معاون تھے۔

مولانا مشتاق احمد صاحب فلاحی کے ساتھ ۱۴؍۷؍۹۳ء کو انجمن کے افراد کی الوداعی نشست ہوئی۔ انہوں نے جامعہ میں شعبۂ ثانوی سے تعلیم کا آغاز کیا تھا عالمیت و فضیلت مکمل کرنے کے بعد یہاں ابتدائی میں استاد ہوگئے تھے۔ انہوں نے اس موقع پر جامعہ چھوڑنے پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا۔ ان کا احساس تھا کہ اب تک میں اساتذہ کے سایہ میں پلتا رہا، یہ جدائی کی گھڑی ہے۔ میں جامعہ کو بھول نہیں سکتا۔

صدر انجمن نے اپنے تاثرات رکھے کہ ایک ایسا شخص جس نے یہیں تعلیم حاصل کی اور لمبے عرصہ تک اپنی خدمات پیش کیں یقیناً اس کا تعلق اس جامعہ سے گہرا ہوگا۔ مشتاق صاحب سے ان کی صلاحیت سے بڑھ کر اور ہر شعبہ میں کام لیا گیا۔ کبھی گلہ بھی، لیکن انہوں نے انکار نہیں کیا۔ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ صدر انجمن نے کہا کسی چیز سے تعلق قائم ہوجائے تو ختم نہیں ہوتا شکل بدلتی ہے ہمیں ان سے توقع ہے کہ جامعہ اور انجمن سے انکا تعلق قائم رہیگا۔

سکریٹری انجمن نے اپنی گفتگو کے دوران ان کے سمع وطاعت کے جذبہ کی تحسین کی کہ جس کام کے لئے کہا گیا انہوں نے باحسن طریق انجام دیا اور کبھی مایوس نہیں کیا یہ جامعہ کے سلسلہ میں متفکر رہا کرتے اور ہر شعبہ پر انکی نگاہ رہتی۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ خدا کرے ان کے حالات سدھر جائیں اور یہ پھر دوبارہ جامعہ آجائیں۔

مولانا علیم الحق صاحب قاسمی ایم، اے علیگ (اردو عربی) بھی اپنے بعض مسائل کی وجہ سے ہم سے جدا ہو چکے ہیں۔ موصوف شعبہ ثانوی میں استاذ تھے۔ تقریباً پانچ سال تک خدمت انجام دی ہے۔ کچھ دنوں طلبہ کی نگرانی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ موصوف بہت ہی حساس طبیعت کے مالک تھے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کے مسائل کو جلد حل فرمادے آمین۔

شعبۂ ثانوی وابتدائی کے اساتذہ کے ساتھ ایک نشست میں انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ یہاں رہتے رہتے جامعہ سے یک گونہ انسیت سی ہوگئی ہے۔ اسے چھوڑتے ہوئے کچھ ایسے ہی جذبات محسوس کر رہا ہوں جن کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑتے ہوئے کیا تھا۔ ان شاء اللہ میری نیک تمنائیں ہمیشہ جامعہ کے ساتھ رہیں گی۔

ڈاکٹر تقی الدین ندوی حفظہ کی جامعۃ الفلاح میں آمد

۱۹ جولائی ۲۰۰۸ء بروز سہ شنبہ محترم ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی پروفیسر متحدہ عرب امارات یونیورسٹی جامعہ تشریف لائے۔ موصوف جامعہ سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب ہندوستان آتے ہیں جامعہ کے لئے وقت نکالتے ہیں۔ اس بار انہوں نے کافی وقت دیا۔ اور طلبہ وطالبات سے خطاب بھی کیا دارالاقامہ شعبہ نسواں کی زیر تعمیر عمارت کو دیکھا بچیوں کی نئی درسگاہ کو بھی دیکھا اور جس سلیقے سے عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں اس کی تعریف کی۔ کلیۃ البنات میں اعلیٰ درجات کی طالبات سے انہوں نے خطاب کیا۔ شروع میں محترم مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے موصوف کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ آپ اعظم گڑھ ہی کے رہنے والے ہیں مظفر پور وطن اور چاند پٹی

ناخیال) مدرسۃ الاصلاح۔ ندوۃ العلماء، اور مظاہر العلوم سہارنپور سے تعلیم حاصل کی ہے ہندوستان کے مختلف مدارس میں تدریس کی خدمت انجام دی اور آج کل متحدہ عرب امارات یونیورسٹی العین میں پروفیسر ہیں۔

اس کے بعد مہمان گرامی نے طالبات سے خطاب کرتے ہوئے بچیوں کے مدرسہ کے قیام پر مبارکباد دی اور کہا کہ بچیوں کی تعلیم کے بغیر سماج کی اصلاح اور اولاد کی تربیت ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے کہا طالبات کو علم دین حاصل کرنے کا جو موقع فراہم ہوا ہے اس کی قدر کرنی چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین" اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کرتا ہے۔ پہلے عورتیں ناخواندہ تھیں اب آپ تفسیر قرآن اور بخاری شریف پڑھ رہی ہیں یہ آپ کے لئے سعادت کی بات ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کیجئے۔

طالبات کو آپ نے نصیحت کی کہ جب آپ حدیث پڑھیں تو آپ کو یہ شعور ہو کہ آپ رسول ﷺ کی مجلس میں ہیں ادب کو ملحوظ رکھیں مطالعہ کا اہتمام کریں شروح حدیث سے استفادہ کریں اساتذہ کی تقریریں نوٹ کر لیا کریں۔ تاریخ میں متعدد خواتین نے حدیث کی خدمت انجام دی ہے۔ بخاری شریف کے نسخوں میں کریمہ کا نسخہ بڑا اہم ہے حافظ ابن حجر نے بار بار اس کا حوالہ دیا ہے۔

آخر میں آپ نے طالبات سے زور دے کر کہا کہ یہ دور بڑا پر آشوب ہے ہر طرف سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔ ایسے نازک دور میں اگر آپ علم دین سے آراستہ ہو کر اسلام کی خدمت کریں گی تو بڑا اجر پائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن وحدیث سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور آپکو مدرسہ کی شہرت ونیک نامی کا ذریعہ بنائے آمین۔

اس کے بعد صدر جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب نے مہمان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور طالبات سے ان قیمتی نصائح کو حرز جان بنانے کی تاکید کی۔

کلیۃ البنات کے بعد جامعہ کی مسجد میں طلبہ کا پروگرام ہوا جس میں شعبہ اعلیٰ کے تمام طلبہ نے شرکت کی۔ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمان گرامی کا تعارف کرایا اور

ان کی علمی خدمات کا تذکرہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر کے آغاز میں یہ بتایا کہ اس وقت میرے چار اساتذہ یہاں موجود ہیں (مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی، مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی، مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی، مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی) میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ میں نے ان سے استفادہ کیا اور آپ لوگ خوش نصیب ہیں کہ ایسے باکمال اساتذہ سے کسب فیض کا موقع آپ کو میسر ہے۔

آپ نے کہا ماشاء اللہ مجھے یہاں ذہین طلبہ نظر آرہے ہیں اللہ نے محض اپنے فضل سے آپ کو اس مدرسہ میں پہونچایا ہے اس کی قدر کیجئے۔ خاص طور سے علم حدیث کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس وعدے میں حدیث بھی شامل ہے کیونکہ حدیث قرآن مجید کی شرح اور اس کا بیان ہے محدثین نے جس محنت سے احادیث کی تدوین کی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے امام بخاری کی خدمات پر روشنی ڈالی اور یہ بتایا کہ صحیحین کی مقبولیت امت میں مسلّم ہے۔ اگر احادیث کو الگ کر دیا جائے تو قرآن کریم کی من مانی تفسیر ہوگی یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج سے گفتگو کیلئے روانہ کیا تو انہیں نصیحت کی کہ احادیث کے ذریعہ ان سے مباحثہ کرنا کیونکہ قرآن کریم ذو وجوہ ہے — ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ درس میں صحاح ستہ کی شمولیت شاہ صاحب کی مرہون منت ہے۔ علم حدیث کے سلسلے میں ہندوستانی علماء کی خدمات کا اعتراف عرب علماء بھی کرتے ہیں۔ آپ نے یہ بات واضح کی کہ درسی کتب حدیث پڑھنے کے بعد اس علم سے تھوڑی سی مناسبت پیدا ہوتی ہے اس کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ کسی ماہر تجربہ کار استاذ حدیث کی خدمت میں چند برس گذارے جائیں اور ان کی مجلسوں سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ ان مجلسوں میں ایسے علمی نکات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جو کتابوں میں نہیں مل سکتے۔

طلبہ پر زور دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ اپنے ذہن سے احساس کمتری کو نکال

دیجئے لگن کے ساتھ پڑھیے اور کمال پیدا کیجئے، میدان عمل کی کوئی کمی نہیں ہے۔ دنیا میں بھی آپ کو عزت ملے گی اور آخرت بھی سنور جائے گی۔

آخر میں آپ نے طلبہ کو نصیحت کی کہ اولوالعزمی، اخلاص، ذوق اجتہاد، ذکر و دعا کا اہتمام، اور احترام اساتذہ کے ذریعہ علم وعمل کی منزلیں طے کریں اور اس پرآشوب دور میں اسلام کی خدمت کے لئے اپنے کو تیار کریں۔ خطاب کے بعد موصوف نے طلبہ کے سوالات کے جواب دیئے اور صدر جامعہ محترم مولانا رحمت اللہ اثری صاحب کے کلمہ تشکر اور مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی نائب ناظم جامعہ کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔

(اس رپورٹ کی تیاری میں مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کا خصوصی تعاون ہمیں حاصل رہا ہے اس کے لئے ہم انکے انتہائی مشکور ہیں)

صالح سیف اللہ فلاحی کو صدمہ

جناب محمد سیف اللہ صاحب فلاحی (رانچی، بہار) کے والد محترم جناب مولانا محمد عبدالرحمن صاحب کاشی رکن جماعت اسلامی ہند ۵؍جولائی ۹۳ء کی شب اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ الخ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی صاحب کا خطبہ

مولانا موصوف کی ابتدائی تعلیم مرکزی درسگاہ رامپور میں ہوئی۔ وہاں سے فارغ ہوکر آپ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر چلے آئے، اور وہاں سے تکمیل کی سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے حضرت مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے خصوصی طور سے اکتساب فیض کیا۔ چنانچہ اسی وقت سے آپ مولانا کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ مدرسۃ الاصلاح سے فارغ ہونے کے بعد آپ وہیں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ تقریباً دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں سے تکمیل تعلیم کے بعد آپ تبلیغی مشن پر نائجیریا چلے گئے، اور تقریباً ایک چوتھائی صدی سے وہاں دین کی تبلیغ واشاعت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ تقریباً پندرہ سال سے وہاں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ایک اسلامک سینٹر قائم ہے۔ جس کے آپ شروع سے

ڈائرکٹر چلے آ رہے ہیں۔

پچھلے دنوں وہ تشریف لائے تھے۔ ۱ر ۲۴ / ۹۹ء کو انھوں نے جامعہ کی مسجد میں جمعہ کے خطبہ میں طلبہ، اساتذہ اور قصبہ کے معززین کے ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے سبعۃ یظلھم اللہ بظلہ یوم لا ظل الا ظلہ (متفق علیہ) (سات طرح کے آدمی اللہ کے سایے میں قیامت کے دن ہوں گے جس دن اسکے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا) کے حوالے سے فرمایا کہ سات طرح کے افراد میں دوسرے نمبر پر شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰہ یعنی وہ نوجوان ہوگا جس کی نشو و نما اللہ کی عبادت میں ہوئی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے: "عن شبابہ فیما ابلاہ"... ابن آدم کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکیں گے جب تک کہ وہ پانچ چیزوں کا جواب نہ دے دے، ان پانچ سوالوں میں سے ایک سوال اس کی جوانی کے بارے میں ہوگا کہ اس نے اپنی جوانی کس چیز میں گنوائی اور بوسیدہ کی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وَشَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ (ترمذی) اپنی جوانی کو بڑھاپے سے قبل غنیمت سمجھو۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ سات قسم کے افراد جو کل قیامت کے دن خدا کے سایہ میں ہوں گے انھیں کا ہر ایک ایسا ہے کہ زندگی کے کسی حصہ میں بھی اگر وہ چاہے تو اس کو اس عمل کا موقع ملنا ممکن ہے۔ صرف نوجوانی کی عبادت ہی ایک ایسی عبادت ہے جو نوجوانی کے ساتھ مخصوص ہے۔ نوجوانی گذر جانے کے بعد پھر اس کا موقع ہاتھ نہیں آسکتا۔ جوانی کا زمانہ قوت و صلاحیت اور کارکردگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں زیادہ بہتر انداز میں عبادت ہو سکتی ہے۔ اس زمانہ میں انسان کے بھٹکنے کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے۔ اگر عبادت کی طرف وہ مائل ہوگا تو برائیوں کے محرکات دبیں گے اور امید بھی ہے کہ آئندہ بھی اس کا رخ بحال رہے گا۔

مولانا نے بات جاری رکھتے ہوئے طلبہ سے کہا یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اس عمر میں آپکو یہ توفیق ملی اور آپ اس علمی گہوارے میں آگئے۔ لیکن علمی گہوارے میں آجانا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے خوش نصیب لوگ کم ہوتے ہیں جنہیں علم حاصل کرنے

کی توفیق ملے، اور ان میں وہ لوگ تو اور کم ہوتے ہیں جو عمل کرنے والے ہوں اور علم کے ساتھ عمل کرنے والوں میں وہ تو انتہائی کم ہوتے ہیں جو اخلاص کے ساتھ عمل کریں۔ حقیقی معنوں میں یہی خوش نصیب ہیں جن کو علم اور عمل کے ساتھ اخلاص و للہیت کی توفیق ملی اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام جتنا علم حاصل کرتے جاتے اس پر عمل بھی کرتے جاتے۔ انہیں اگر معلوم ہو جاتا کہ ان سے فلاں عمل مطلوب ہے تو آگے بڑھ کر اس پر عمل کی کوشش کرتے اور زندگی بھر اسے نبھاتے۔ ایک بار حضورؐ نے عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللهِ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ (متفق علیہ) — عبداللہ بڑے اچھے آدمی تھے اگر قیام لیل کرتے۔

راوی حضرت سالم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ ایک بار ایک دوسرے صحابی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمٌ الأُسَيْدِيُّ لَوْلَا طُولُ جُمَّتِهِ وَإِسْبَالُ إِزَارِهِ (ابوداؤد) — خریم اسیدی کیا خوب آدمی ہیں اگر لٹیں لٹکتی نہ ہوتیں اور ازار ٹخنوں سے نیچے نہ ہوتا۔

حضورؐ کے اس ارشاد کی خبر جب خریم اسیدیؓ کو ہوئی تو انہوں نے فوراً لٹیں چھوٹی کرلیں اور ان کا ازار نصف پنڈلی تک آگیا۔ ایک صحابی رسول ابو جری جابر بن سلیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیے آپؐ نے فرمایا۔

لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا (ابوداؤد، ترمذی) — تم کسی کو گالی ہرگز نہ دینا۔

وہ فرماتے ہیں کہ "فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً" یعنی یہ کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا بھلا نہیں کہا، نہ آزاد شخص کو اور نہ غلام کو حتی کہ نہ کسی اونٹ کو اور نہ کسی بکری کو، یہ تھا صحابہ کا انداز حضورؐ کے ساتھ، جتنا علم حاصل ہوتا اس پر عمل کرتے۔ عمل کے ساتھ تھوڑا علم بھی کافی ہے بمقابلہ اس کے کہ علم تو بہت ہو اور عمل کچھ نہ ہو۔

مولانا نے فرمایا عمل کے معاملہ میں بہت زیادہ بیدار مغز رہنا چاہیے۔ نہ کسی برائی کو حقیر سمجھنا چاہیے اور نہ کسی بھلائی کو معمولی جاننا چاہیے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا

کسی بھی نیکی کو ہرگز حقیر نہ سمجھو۔

(ابوداؤد، ترمذی)

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

إِيَّاكَ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ

خبردار چھوٹے چھوٹے معمولی گناہوں کے بھی قریب نہ پھٹکنا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے رجسٹر میں دو ہی خانے ہیں یا تو نیکیوں کا یا برائیوں کا۔ تیسرا کوئی خانہ نہیں جو نیوٹرل قسم کا ہو۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(البقرہ: ۲۸۶)

اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا جو نیکی اس نے کمائی وہ اسے ملیگی اور جو برائی اس نے کمائی اسکا وبال اس کے اوپر آئیگا۔

کسی گناہ کو معمولی اور کسی نیکی کو ہلکا سمجھنا اچھے ذہن کی علامت نہیں ہے۔ جنت میں لے جانے والا ایک چھوٹا عمل اور دوزخ کا سبب بننے والا ایک معمولی عمل نظرانداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے۔ جب اضطرار کی کیفیت ہو مثلاً یہ کہ دو نیکیوں میں سے ایک کو کرنا ہے تو ظاہر ہے ہم بڑی نیکی کو ترجیح دیں گے۔ اسی طرح اگر ہم دو برائیوں میں سے کسی ایک کے کرنے پر مجبور ہیں تو کم تر برائی کو اختیار کریں گے۔ مگر وہ تمیز بھی لیکر کسی عمل کو کئے چلے جانا یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر یہ خدا کے نزدیک مکروہ اور ناپسند ہے تو ہمارے لئے کیسے مناسب ہو سکتا ہے کہ ہم اسے اختیار کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار حضرت انسؓ نے فرمایا تھا۔

إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِيْ أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، كُنَّا نَعُدُّهَا

تم لوگ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے زیادہ باریک اور

عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ

(بخاری)

بے وقعت ہوتے ہیں حالانکہ ہم انہیں عہد رسالت میں موبقات میں شمار کرتے تھے (یعنی ایسا عمل جو ہلاک کر ڈالے)

مولانا موصوف نے بات ختم کرتے ہوئے ترغیب دلائی کہ عمل کے ساتھ تنافس یعنی باہم مسابقت اور مقابلہ ہونا چاہیے اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن میں جگہ جگہ اس کی ترغیب آئی ہے اہل جنت کی کامرانیوں کا تذکرہ ہے اس کے بعد یہ آیت ہے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ (المطففین ۲۶)

اور اسمیں تنافس کرنے والوں کو تنافس کرنا چاہیے۔

خدا کے نیک بندوں کی صفات کے بعد کہا گیا۔

أُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ

(المومنون ۶۱)

یہ لوگ ہیں جو خیرات و حسنات میں جلدی کرتے ہیں اور انکی جانب سبقت کرتے ہیں۔

اہل جنت اپنی ایک مجلس میں باہم گفتگو کریں گے۔ دوزخیوں کا بھی ذکر آئیگا اور اہل جنت کے اوپر خدا کا جو خاص فضل تھا اس کا بھی ذکر ہوگا اس کے بعد ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ

(الصّٰفّٰت ۶۱)

ان چیزوں کیلئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

لیکن یہ مسابقت اخلاص کے ساتھ ہی مفید ہو سکتی ہے۔ اخلاص نہیں ہوگا تو یوسفؑ کے بھائیوں اور آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا کردار سامنے آئے گا۔ آدمؑ کے دونوں بیٹوں نے قربانی کی۔ ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہ ہو سکی۔ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے اس پر حسد کا بخار چڑھ گیا یہی حال یوسفؑ کے بھائیوں کا تھا کہ حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ سے زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ اس جانب نہیں گئی کہ وہ کون سی خوبیاں ہیں

جن کی بنا پر یوسفؑ باپ کو زیادہ پیارے ہیں۔ انہوں نے یوسف کو راستے سے ہٹا دینے کی سکیم بنائی اور باہم کہا اگر تم یوسف کو قتل کر دو گے یا کسی دور دراز علاقہ میں ڈال آؤ گے تو تم باپ کی نگاہ میں صالح ہو جاؤ گے۔ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ (یوسف) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بعد میں صالح بن جانا، یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ یہ جملہ امر کا جواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صالح تو ہو لیکن باپ کو تسلیم نہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خود بخود ان کی نگاہ میں صالح ہو جاؤ گے

یہ ہوتا ہے اخلاص کے بغیر مسابقت اور تنافس کا انجام۔ لیکن اگر اخلاص کیساتھ ہو تو ابوبکرؓ و عمرؓ کا کردار سامنے آتا ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر کا آدھا اثاثہ لیکر حاضر خدمت ہوتے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ سب کچھ لیکر حاضر ہو جاتے ہیں اور عمر کہہ اٹھتے ہیں اب میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس بڑھیا کے گھر کی صفائی اور کام کاج کے معاملہ میں بھی یہ مقابلہ نظر آتا ہے حضرت عمرؓ اس کی خدمت کرتے تھے لیکن انہیں جلد ہی محسوس ہوا کہ کوئی ان سے بھی پہلے آکر سارا کام کر جاتا ہے۔ دیکھا تو وہ ابوبکرؓ تھے۔ اخلاص کے ساتھ تنافس کی مثال فقراء مہاجرین کا معاملہ ہے۔ یہ لوگ حضورؐ کے پاس پہونچے کہ مالدار لوگ ساری نعمتیں اور بلند درجات سمیٹ لے گئے کیونکہ ان کے بقول

يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُونَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَلَا أُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُونَ بِهِ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُونُ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِنْكُمْ

یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور یہ صدقہ کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے اور غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم نہیں کر پاتے۔ رسول اللہ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جس کے ذریعہ تم ان لوگوں کو پا لو جو تم پر سبقت لے جا چکے ہیں اور تم سبقت لے جاؤ اپنے بعد والوں پر۔ اور تم سے

إِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ تُسَبِّحُونَ وَتُكَبِّرُونَ وَتَحْمَدُونَ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً (مسلم)

کوئی افضل نہیں ہوگا سوائے اس کے جو وہی عمل کرے جو تم کرتے ہو انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار اللہ اکبر اور ۳۳ بار الحمد للہ کہا کرو

فقرائے مہاجرین بہت خوش ہوئے لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر پلٹ کر آئے اور کہا یہ بات ہمارے مالدار بھائیوں کو بھی معلوم ہو گئی اور وہ بھی یہ عمل کرنے لگے ہیں آپؐ نے فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ (الحدید) یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اس روایت میں یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ان اہل ثروت صحابہ کرام نے یہ نہیں سوچا کہ ہم اتنے بڑے بڑے کام کرتے ہیں، یہ چھوٹا عمل ہے اس کی ضرورت نہیں بلکہ جو نہی انہیں اس کی خبر ہوئی انہوں نے اس کو بھی کرنا شروع کر دیا۔ اخلاص کے ساتھ تنافس میں کبھی حسد نہیں ہو سکتا۔ ایسا انسان دوسروں کو بھی نیکیوں کی تلقین کریگا اور انہیں نیکیوں کے معاملہ میں سہارا دے گا اسے یہ معلوم ہے کہ اس کا اپنا اجر ہے ہی ساتھ اس کے عمل کا بھی اجر ملے گا جسے وہ کوئی نیکی بتائے گا۔

مَنْ دَلَّ عَلَىٰ خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ (مسلم)

جو کسی خیر کی رہنمائی کریگا اسکے لئے اس خیر کے کرنے والے جیسا اجر ہوگا

بقیہ: پڑھکر جو کوئی......

صاحب کے زمانے میں یہ ساری سہولیات میسر نہیں تھیں ورنہ وہ مجبور ہو کر یہ شعر کہہ بیٹھے

پڑ جائیں اگلی آبلے اکبر کے بدن پر — پڑھکر جو کوئی پھونک دے اپریل مئی جون

ویسے غریب طبقہ اب بھی موسم گرما سے کافی پریشان ہے۔ بہت سارے لوگ تو رات رات بھر سوتے نہیں اور ماہی بے آب کی طرح بھری کروٹیں مارتے ہیں ـــــ مابدولت کا بھی یہی حال ہے۔ اودھر اہلیہ کا حکم کہ یہ مضمون بغیر پڑھے نہیں رہ جانے دیا گئے۔ سوچتا ہوں اپنی ایک دو تصنیف کی کاپی ہی بیچ ڈالوں کہ پہلے آتا پھر یہ ماتا "لنگری زندہ صحبت باقی۔